ماسٹر رام چندر

اور

اردو نثر کے ارتقاء میں انکا حصّہ

مؤلفہ

ڈاکٹر سیدہ جعفر

سلسلہ مطبوعات ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ نمبر (۱)

ماسٹر رام چندر
اور
اردو نثر کے ارتقاء میں ان کا حصہ

مولفہ

ڈاکٹر سیدہ جعفر
لکچرار نظام کالج

بار اول۔ سنہ ۱۹۶۰ء

تعداد ایک ہزار

مطبوعہ

انتخاب پریس ۔ جواہر لال نہرو روڈ حیدرآباد (اے ۔ پی)

ملنے کا پتہ

ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

خیریت آباد ۔ حیدرآباد ۔ ۴

اپنی ماں کے نام

مندرجات

حصہ (الف)

حالات زندگی

مضامین

(حصہ ب)

منتخب مضامین

تاریخی مضامین

سوانحی مضامین

علمی مضامین

اخلاقی ، اصلاحی اور سماجی مضامین

عام مضامین

مندرجات

حصہ الف ۔ حالات

حصہ ب ۔ منتخب مضامین

پیش لفظ

ماسٹر رامچندر کے نام کی عظمت اور جاذبیت میرے دل میں کس وجہ سے تھی وہ بھی سن لیجئے۔ میں نے ابتدائی تعلیم اُسی مدرسے میں پائی جہاں ماسٹر رامچندر غدر (۱۸۵۷ء) سے پہلے پڑھاتے تھے اور شاید بعد میں بھی پڑھاتے رہے ہوں۔ یہ ایک تاریخی عمارت ہے، اور اب بھی موجود ہے۔ میرے زمانے میں ہمارے ریاضی کے اُستاد ماسٹر شیو پرشاد تھے۔ میں خاصہ ذہین تھا اور الجبراء کے اکثر سوالات کا جواب استاد کو اُن کے سوال کے ختم ہونے سے پہلے ہی دے دیا کرتا تھا۔ ماسٹر شیو پرشاد بہت خوش ہوتے تھے اور شاباش کے طور پر یہ کہتے تھے کہ بڑا ہو کر تو بھی ماسٹر رامچندر بن جائے گا۔ یہ تو جماعت کی بات چیت کا اثر تھا۔ اب اُس شخص کے وقار کی ایک اور وجہ بھی سن لیجئے۔ میں محلہ چوڑی والان میں رہتا تھا اور مدرسہ جانے کیلئے جو کشمیری دروازے کے قریب تھا، روز نئی سڑک سے گذرتا تھا۔ یہ سڑک چاوڑی بازار کو چاندنی چوک سے ملاتی ہے۔ جہاں گھنٹہ گھر تھا، اس سڑک کے ایک جانب روشن پورہ ہے جو قدیم زمانے میں کائستھ صاحبوں کا محلہ تھا اور شاید اب بھی ہے۔ روشن پورہ کے غربی رخ پر ماسٹر رامچندر کے مکان کی روکار تھی جسکے یونانی وضع (Corinthion style) کے بلند ستونوں اور جھلملیوں نے سڑک کے اس جانب کے در و دیوار میں جو پرانی وضع کے تھے، مغربی تہذیب و تمدن کی شان و شوکت پیدا کردی تھی، جس کا میرے دل پر بڑا اثر ہوتا تھا کیونکہ میں اس مکان کو آتے جاتے روز دیکھتا تھا۔ اُس وقت میری عمر گیارہ، بارہ برس کی ہوگی۔

ماسٹر رامچندر کا نام دلی کے شریف اور پڑھے لکھے لوگوں میں یوں بھی تھا کہ ماسٹر رامچندر کو کمپنی بہادر نے خلعت پنچ پارچہ اور انعام دو ہزار روپیہ نقد ان کی کتاب (Maxima and Minima) کے صلے میں دیا تھا۔ اس کتاب کے علاوہ انکی ایک اور کتاب جس میں (Differential Calculus) پر ان کا نیا نظریہ بیان کیا گیا تھا، انگلستان اور یورپ کے ممالک میں علماء اور ماہرین سے خراج تحسین حاصل کرچکی تھی۔ دلی والے جہاں غالب، مومن، صہبائی اور مفتی صدرالدین پر فخر کرتے تھے وہیں ماسٹر رامچندر کا نام بھی بہت محبت اور احترام سے لیا جاتا تھا۔

یہ نقوش ماسٹر رامچندر کی نسبت میرے حافظے میں محفوظ تھے، چنانچہ جب مکرمی ڈاکٹر زور نے آزاد انسٹیٹیوٹ کی اکیڈمک کونسل کے ایک جلسے میں ڈاکٹر سیدہ جعفر کی کتاب کا ذکر کیا تو مجھے تعجب ہوا کہ دکن کی ایک خاتون نے دلی کے ایک عالم ریاضی کے حالات زندگی لکھے ھیں اور میں نے اجلاس میں کتاب پڑھنے کا شوق ظاہر کیا۔ ڈاکٹر زور صاحب کی مہربانی سے کتاب تھوڑے دن میں میرے پاس پہنچ گئی اور میں نے بڑے شوق سے اس کو پڑھا اور اس بات سے بے حد خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر سیدہ جعفر نے اس کے لکھنے میں بہت محنت کی ھے اور نہایت قابلیت سے ماسٹر صاحب کے حالات کو ترتیب دیا ھے اور جن مصنفین سے کچھ لغزشیں ہوگئی تھیں ان کو اپنے استدلال سے واضح کردیا ھے مثلاً مشہور فرانسیسی مستشرق گارسان دتاسی کا یہ بیان کہ ماسٹر رامچندر کے اخبار « خیرخواہ ھند » اور « محب ھند » دو جداگانہ اخبار تھے، درست نہیں ھے بلکہ ایک ہی اخبار تھا جس کا ابتداء میں « خیرخواہ ھند » نام تھا لیکن جب ماسٹر رامچندر کو یہ معلوم ہوا کہ « خیرخواہ ھند » کے نام سے

ایک اخبار مرزاپور سے بھی نکلتا ھے تو انہوں نے اپنے اخبار کا نام بدل کر «محب ھند» رکھہ دیا۔ نام کے تبدیل کرنے کے متعلق ڈاکٹر سیدہ جعفر نے ماسٹر رامچندر کے ایک اعلان کی سرخی جو «فوائد الناظرین» بابت اکتوبر سنہ ۱۸٤۷ء میں چھپی تھی پیش کردی ھے جس سے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ابواللیث صدیقی نے بھی اپنے مقالے «اُردو صحافت انیسویں صدی میں» میں اس غلطی کو دہرایا ھے لیکن ماسٹر رامچندر کی توضیح کے بعد شبہ کا بالکلیہ قلع قمع ہو جاتا ھے۔

ماسٹر رامچندر کی جائے پیدائش کے متعلق بھی دیبی پرشاد بشاش کے تبصرے سے جو غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی اسکو بھی قابل مولفہ نے معتبر اہل قلم اور صاحب علم مصنفین کی رائے سے رفع کردیا ھے۔ مولفہ کی یہ کوشش بھی کہ ماسٹر رامچندر اردو زبان کے پہلے مضمون نگار (Essayist) تھے قابل غور ضرور ھے، لیکن ان کے مضامین کی زبان میں چونکہ ادبی شان و شوکت اور وہ سلاست اور روانی نہیں ھے جو سرسید یا ماسٹر رامچندر کے چند ہم عصر ادیبوں مثلاً ماسٹر پیارے لال یا مولوی ذکاالله یا ڈپٹی نذیر احمد کے مضامین میں پائی جاتی ھے اور انکے مقابلے میں ماسٹر رامچندر کے مضامین کی زبان کچی اور روڑھی نظر آتی ھے، اس لئے قابل مولفہ کو اگر اردو زبان کے مورخین نے ماسٹر رامچندر کے نام کو حذف کردیا ھے یا کافی اہمیت نہیں دی ھے، تو ملال نہیں کرنا چاہئے۔ آرٹ کے لئے فقط تنوع ہی کافی نہیں، لطافت بھی ضروری ھے۔ ماسٹر رامچندر کی تحریر میں کاواک پن نمایاں ھے اور حسن ذوق بالکل مفقود۔ اس خامی کی وجہ ممکن ھے یہ بھی ہو کہ ان کے اکثر مضامین انگریزی مضامین کے ترجمے ھیں اور وہ ان کے طالب علموں کا کارنامہ ہوں۔ مولوی ذکاالله کی بڑی تاریخ ھند

جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے خود ان کے قلم کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ ان کے شاگردوں کا کیا ہوا ایلیٹ کی تاریخ کا اناپ شناپ ترجمہ ہے، اور اس میں وہ پاکیزگی نہیں جو خود مولوی ذکا اللہ کے ترجموں میں پائی جاتی ہے جو انہوں نے بیکن یا ایڈیسن یا سمائلیس کے مضامین کے کئے ہیں۔

ماسٹر رامچندر کی طبیعت کا میلان سائنس اور فلسفہ کی جانب رہا، اور انہوں نے ریاضی میں معرکتہ الآراء کتابیں تالیف کیں۔ وطن سے بیحد محبت تھی۔ اہل ملک کی اصلاح کی غرض سے اخبار اور رسالے جاری کئے، دھن کے پکے تھے، ملک میں جو اس وقت جہل پھیلا ہوا تھا اور قبیح رسوم کا رواج تھا اُن سے تنگ آکر عیسوی مذہب اختیار کرلیا۔ مدراس کا علاقہ تو پادریوں کی علمی تبلیغ اور ہمدرد اداروں کی وجہ سے بہت سا عیسائی ہوگیا تھا۔ بنگال میں برہمو سماج کی تحریک نے عیسائیت کے زور کو کچھ روکا، اودھ میں بھی اس تحریک کا خاصا اثر ہوا، لاہور اور دھلی کے ذی علم اصحاب بھی اس لپیٹ میں آگئے، اس وقت کے اخباروں میں بھی عیسائی تبلیغ کی بہت مذمت ہوئی اور آریا سماج اور بعض اسلامی تبلیغی ادارے قایم ہوگئے جو اب تک باقی ہیں۔ عیسائیت کی جانب رجحان سے وہ علمی کاموں کو چھوڑکر عیسائی تبلیغی کاموں میں پھنس گئے اور ان کی شہرت اور ہردل عزیزی کو خاصا دھکا لگا۔

ڈاکٹر سیدہ جعفر نے ماسٹر رامچندر کی قومی خدمت کو بہ حیثیت اخبار نویس بہت سراہا ہے اور ان کے مضامین کے اقتباسات اپنی رائے کی تائید میں پیش کئے ہیں۔ ترجمے کی حد تک ان کے مضامین کی افادیت میں کوئی شک نہیں لیکن ادب کی اعلیٰ قدروں پر جب ان کو جانچا جاتا ہے تو ان میں بہت سی خامیاں نظر آتی ہیں، تاہم ماسٹر رامچندر کی کوشش

سماج کی علمی ترقی اور اخلاقی اصلاح کے بارے میں قابل تحسین ہے اور مجھے یہ لکھنے میں خوشی ہے کہ ڈاکٹر سیدہ جعفر نے دلی کے ایک ریاضی کے فاضل کے حالات زندگی کو جو لوگوں کے ذہن سے تقریباً مٹ گئے تھے اپنی کوشش اور علمی جد و جہد سے پھر سے تازہ کر دیا۔

غلام یزدانی

۵ ڈسمبر سنہ ۱۹۶۰ء

دیباچہ

ماسٹر رامچندر کے حالات زندگی اور انکے ادبی کارناموں پر ایک مفصل کتاب لکھنے کی ضرورت تھی، کیونکہ ان کی شخصیت، انکی تخلیقات اور انکی تحریریں ادب میں اپنا ایک مقام رکھتی ھیں۔ وہ اردو کے بلند پایہ ادیب نہیں ھیں اور نہ انہوں نے کہیں اپنی اعلیٰ انشا پردازی کا دعوی کیا ھے۔ رامچندر کی نثر میں اس وقت کے مروجہ انشا پردازی کے معیاروں کو ڈھونڈ نے کی کوشش نہ کیجئے، وہ مقفی اور مسجع عبارتوں، الفاظ کی بازی گری اور فقروں کی ظاہری چمک دمک اور آرائش کو نثر نگاری کی معراج نہیں سمجھتے تھے۔ ماسٹر رامچندر کے مضامین کا مطالعہ تاریخ ادب کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ھے، ان کی تحریریں جدید اور قدیم نثر کی درمیانی کڑی ھیں، ان کا اسلوب سادہ، رواں اور سلیس ھے اور اس میں نثر کی صوری قدروں سے زیادہ اس کے معنوی حسن پر زور دیا گیا ھے۔ ماسٹر رامچندر کی تحریروں میں نئی زندگی کی آہٹیں سنائی دیتی ھیں۔ انکی عبارتیں مشینی دور کی آمد کا احساس دلاتی ھیں جب سماجی زندگی کی گھما گھمی اور کشمکش تیز ہو چکی تھی اور ادیبوں اور انشا پردازوں کو « فرصت کاروبار شوق » میں کمی کا احساس ہونے لگا تھا اور اسی احساس نے نثر کو سادہ اور فطری انداز عطا کیا تھا۔ رامچندر نے اردو نثر کو اس اسلوب سے روشناس کیا۔ میں نے ماسٹر رامچندر کو اردو کے بلند مرتبہ انشا پردازوں کی صف میں نہیں لا کھڑا کیا ھے، لیکن ان کے صحیح مقام کا تعین کرنے کی کوشش ضرور کی ھے۔

رامچندر کی ادبی شخصیت اور ان کے کارنامے آپ کو اس کتاب کے آئینے میں بہت صاف اور واضح نظر آئیں گے۔ ان کے چہرے پر کہیں کوئی نقاب نہیں دکھائی دے گا۔ انسانی سیرت کی تصویر اُسی وقت مکمل اور اجاگر ہو سکتی ہے جب کردار کے تمام گوشے اس میں سمٹ آئیں اور کہیں کوئی پردہ حائل نہ رہے۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ماسٹر رامچندر کے متعلق جتنی معلومات فراہم ہوئی تھیں، اکٹھی کردی گئی ہیں، دوسرے حصے میں رامچندر کے منتخب مضامین ہیں۔ ان میں سے اکثر مضامین « فوائد الناظرین » اور « محب ہند » سے لئے گئے ہیں۔ ان رسالوں کا مطالعہ بڑی دیدہ ریزی اور صبر آزمائی کا کام ہے کیونکہ یہ رسالے اب اتنے پرانے ہو چکے ہیں کہ جگہ جگہ سے چھاپا اُڑ گیا ہے اور بوسیدگی کا یہ عالم ہے کہ « ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے » بہرحال اس موضوع سے متعلق جو بھی معلومات مجھے حاصل ہو سکتی تھیں، انہیں میں نے پوری کاوش کے ساتھ اس کتاب میں پیش کردیا ہے۔ ممکن ہے کہ بعد میں ماسٹر رامچندر اور ان کے ہمعصر نثر نگاروں کے متعلق مزید تحقیقات ہوں اور کچھ نئے گوشے ہمارے سامنے آئیں۔ لیکن اس کتاب کی اشاعت سے اتنا تو ہوگا کہ ماسٹر رامچندر اور ان کے معاصرین کی نثری کوششوں پر تحقیق کرنے کا ایک راستہ ضرور کھل جائے گا اور بعد کے تحقیق کرنے والوں کو اس دور کے متعلق کچھ مفید اشارے بھی مل جائیں گے ۔

دعائیں دے مرے بعد آنے والے میری وحشت کو
بہت کانٹے نکل آئے مرے ہمراہ منزل سے

میں آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے معتمد اعزازی ڈاکٹر سید محی الدین

قادری زور کی ممنون ہوں کہ اس کتاب کی اشاعت ، صاحب موصوف ہی کی حوصلہ افزائی اور کرم فرمائی کا نتیجہ ھے - انسٹیٹیوٹ کے اکیڈمک بورڈ کے صدر پدما بھوشن ڈاکٹر غلام یزدانی او - بی - ای کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں کہ صاحب موصوف نے میری خواہش پر اس کتاب کا پیش لفظ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی -

سیدہ جعفر

۱۴ نومبر سنہ ۱۹۶۰ء

حصہ (الف)

حالات

ماسٹر رامچندر کے حالات زندگی

اردو نثر کے اکثر تذکروں میں ماسٹر رامچندر کے حالات زندگی اُنکی تصانیف اور خدمات کا کوئی ذکر نہیں ملتا ، اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو تشنہ اور نامکمل۔ ان تبصروں میں انکی حیات اور ادبی تخلیقات پر کوئی روشنی ڈالی بھی گئی ہے تو اتنی دھندلی ہے کہ رامچندر کی شخصیت اپنے ذاتی کمالات اور اپنے اصلی خدوخال کے ساتھ صاف دکھائی نہیں دیتی « سیرالمصنفین » میں محمد یحییٰ تنہا لکھتے ہیں :۔

« آپ کے حالات زندگی یا تاریخ پیدائش و وفات کا کچھ پتہ نہیں چلتا ۔ صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ پہلے آپ سرکار انگلیشیہ کی ملازمت میں بہ عہدہ مدرسی علوم انگریزی کی تعلیم دہلی کالج میں دیتے تھے ۔ مولوی محمد حسین آزاد ، مولوی نذیر احمد اور مولوی ذکاءاللہ جن کا ذکر خیر تیسرے دور کے مصنفین میں کیا گیا ہے آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے » ۔[1]

« تاریخ نثر اردو » سے بھی رامچندر کے واقعات زندگی کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔ احسن مارہروی نے صرف اتنا لکھدیا ہے :۔

مولف « تذکرہ الکاملین » ماسٹر رامچندر ، دہلی کالج کے انگریزی کے ماسٹر تھے ۔ مولوی محمد حسین آزاد ، مولوی ذکاءاللہ اور نذیر احمد ان کے ارشد تلامذہ میں تھے » ۔[2]

---

[1] سیرالمصنفین ۔ ج ۔ ۱ ص (۱۹۲) [2] تاریخ نثر اردو ۔ ج ۔ ۱ ص (۱۳۵)

خاندان اور پیدائش | رامچندر ایک متوسط کایستھ خاندان میں ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوئے - ان کے والد سندر لال دھلی کے باشندے تھے اور یہیں تحصیل داری اور نائب تحصیل داری کی خدمتوں پر مامور رہے تھے - رامچندر اپنے والد کے بڑے لڑکے تھے - کایستھوں کا یہ خاندان عرصہ دراز سے دھلی میں سکونت پذیر تھا - بعض تذکرہ نگاروں کو اس خیال سے اتفاق نہیں ھے کہ رامچندر کا خاندان دھلی میں رہا کرتا تھا بلکہ وہ یہ سمجھتے ھیں کہ سندر لال کا خاندان ھندوستان کے کسی اور حصہ میں مستقل طور پر اقامت پذیر تھا اور بعد میں بعض وجوھات کی بناء پر دھلی آگیا تھا - چنانچہ «تذکرہ آثارالشعرائے ہنود» کے مصنف دیبی پرشاد بشاش ماسٹر رامچندر کے بچپن اور ان کے خاندان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ھیں :-

« یہ صاحب قوم کے کایستھ معہ اپنے بھائیوں کے بحالت کمال مفلسی ، خوردسالی میں وارد دھلی ہوئے » -[۱]

بشاش کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ھے کہ رامچندر دھلی کے مستقل باشندے نہ تھے اور اپنے والد کی زندگی میں کبھی انہوں نے دلی کی صورت بھی نہ دیکھی تھی - اور یہ کہ سندر لال کا دھلی سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا لیکن مولوی عبدالحق نے رامچندر کے حالات زندگی پر جو روشنی ڈالی ھے اس سے اس بیان کی تردید ہوتی ھے - انہوں نے ماسٹر صاحب کے والد سندر لال کو خاص دھلی کا باشندہ بتایا ھے اور دھلی میں انہوں نے گورنمنٹ کی جو خدمات انجام دی تھیں انہیں بھی سراہا ھے

---

[۱] «تذکرہ آثارالشعرائے ہندو» ص (٦٤)

عبدالحق لکھتے ھیں:۔

« ماسٹر رامچندر سنه ۱۸۲۱ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے ان کے باپ سندر لال دھلی کے باشندے اور کایستھ تھے اور دھلی میں نائب تحصیل داری اور تحصیل داری کی خدمتوں پر رھے »۔[1]

مولوی عبدالحق کے اس خیال کی تائید قاسم علی سجن لال کے بیان سے بھی ہوتی ھے ۔ چنانچه انہوں نے مستند حوالوں سے یه ثابت کیا ھے که رام چندر دھلی کے باشندے تھے وہ اپنے والد کے انتقال کے بعد « وارد دھلی » نہیں ہوے تھے بلکه اُن کا خاندان برسوں سے دھلی میں سکونت پذیر تھا۔ سجن لال کے اس مضمون کے مترجم ڈاکٹر خواجه احمد فاروقی رام چندر کے خاندانی حالات کا جائزہ لیتے ہوے رقمطراز ھیں:۔

« وہ ایک معمولی کایستھ خاندان میں سنه ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوے انکے والد سندرلال ضلع دھلی میں نائب تحصیلدار تھے اور پٹنه ان کا ہیڈ کواٹر تھا۔[2]

تعلیم | رام چندر ابھی چھے برس ہی کے تھے که ان کے والد نے انھیں اس زمانے کے عام دستور کے مطابق ایک مکتب میں داخل کرا دیا۔ لیکن حالات زمانه کو ملحوظ رکھتے ہوے دو سال بعد یعنی سنه ۱۸۲۹ء میں انھیں ایک انگریزی اسکول میں بھیجد یا گیا جہاں انھوں نے لکھنے پڑھنے سے خاص دلچسپی کا ثبوت دیا اور غیر معمولی ذہانت اور تیزی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔

[1] « مرحوم دھلی کالج » ص (۱۵۶)   [2] « پروفیسر رامچندر صحافی کی حیثیت سے » قاسم علی سجن لال ۔ دھلی کالج نمبر ۱۹۵۳ء ص (۴۱)

سنہ ۱۸۳۱ء میں سندر لال دفعتاً بیمار ہوگئے اور اپنی تمام ذمہ داریوں کا بوجھ اس نوعمر لڑکے کے سپرد کیا۔ اس خاندان کیلئے یہ بڑی پریشانی اور مایوسی کا زمانہ تھا۔ لیکن رامچندر کی ماں نہایت حوصلہ مند اور سمجھدار خاتون تھیں۔ انھوں نے اس افلاس اور مصیبت میں بھی اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا۔ اس وقت ان لوگوں کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ چھ بچوں اور ایک ماں کی پرورش آسان نہ تھی۔ رامچندر کو اب پڑھنے لکھنے کے علاوہ گھر کے کاروبار کا بھی خیال لگا رہتا۔ وہ اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے اور اس طرح تمام خاندان کے وارث اور سرپرست بھی۔ ان ناموافق حالات میں بھی رامچندر نے اپنی تعلیم کے سلسلہ میں کوئی وقفہ نہ آنے دیا۔ خوش قسمتی سے سنہ ۱۸۳۳ء میں وہ ایک ایسے انگلش اسکول میں داخل ہوگئے جہاں طالب علم پانچ روپیہ ماہانہ وظیفہ پاتے تھے۔ اس اسکول میں رامچندر نے چھ سال خوب دل لگا کر پڑھا اور اسطرح انھوں نے اپنے گھروالوں کیلئے ایک ذریعہ معاش پیدا کرلیا۔[1]

شادی | گیارہ برس کی عمر میں کایستھ خاندان کے رواج کے مطابق انکی شادی کردی گئی۔ بدقسمتی سے لڑکی گونگی اور بہری تھی۔ یہ رامچندر کی زندگی کا عجیب طربناک المیہ تھا۔ اس حادثہ کا نفسیاتی ردعمل ان کی پوری زندگی پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ اس واقعے نے اگر ایک طرف انہیں نجی زندگی کی محوکن رعنائیوں سے دور کردیا تھا تو دوسری طرف ان کی دلچسپیوں نے ایک نئی راہ نکال لی تھی۔ یعنی انھوں نے اپنی تمام توجہ تعلیم اور تصنیف میں جذب کردی تھی اور اسے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔

---

[1] مرحوم دہلی کالج۔ از عبدالحق۔ ص (۱۵۸)

یہ شادی رامچندر کی پریشانیوں میں گویا ایک اضافہ تھی۔ انھوں نے تعلیم چھوڑ کر محرری کی خدمت قبول کرلی اور یہاں انہیں نہایت ناخوشگوار اور تلخ واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔ بہر حال تین سال تک انتہائی بے دلی کے ساتھ انھوں نے یہ ملازمت کی۔ لیکن آتش شوق جو ان کے سینے میں بھڑک رہی تھی وہ بجھنے نہ پائی تھی۔ سنہ ۱۸۴۱ء میں جب دلی کا مدرسہ کالج میں تبدیل ہو گیا تو نہ معلوم کس کس جتن سے انھوں نے کالج میں داخلہ لے لیا اور اس طرح حالات نے انکی زندگی کا ایک نیا ورق الٹا۔ دو تین سال تعلیم کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا اس لئے انھیں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام کرنا پڑا۔ رامچندر نے سینیر وظیفے کے مقابلہ میں کامیاب ہونے کیلئے دن رات کوشش شروع کردی۔ یہ وظیفہ تیس روپیہ ماہانہ کا تھا۔ اس مقابلے میں وہ کامیاب رہے اور اسطرح ان کے گھر والوں کو قدرے اطمینان اور بے فکری نصیب ہوی اور رامچندر نے اپنی پوری توجہ کے ساتھ تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔

ملازمت رامچندر تین سال تک ہر امتحان میں کامیاب ہوتے رہے۔ اٹھائیس فبروری کو وہ پچاس روپیہ ماہوار پر دھلی کالج کے شعبۂ مشرقی میں یورپین سائنس کے مدرس ہو گئے۔ اسی زمانے میں "ورنا کیولر ٹرانسلیشن سوسائیٹی" قائم ہوی تھی۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے تصنیف و تالیف کی جو صلاحیتیں رامچندر میں نشو و نما پارہی تھیں ان کے بروئے کار آنیکا یہ بہترین موقع نکل آیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس سوسائیٹی کیلئے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس وقت تک اردو میں الجبراء اور علم مثلث پر لکھی ہوی ایسی کتابیں موجود نہ تھیں جن سے طلباء کی اچھی رہنمای ہوسکتی۔ رامچندر نے اس علم پر جو کتابیں لکھیں وہ طلباء میں اتنی مقبول

ہوئیں کہ کالج والوں نے شعبۂ مشرقی کے طلباء کی سہولت کیلئے انہیں نصاب میں داخل کرلیا۔

شاگرد | رامچندر بڑے ہردلعزیز مدرس تھے اپنے شاگردوں کو نہایت محنت اور شفقت کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ محمد حسین آزاد، مولوی نذیر احمد اور خصوصاً ذکاءاللہ نے ان کی صحبت سے بڑا فیض حاصل کیا تھا ان کے شاگرد بھی انہیں دل سے چاہتے تھے اور ان کے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ چنانچہ نذیر احمد نے رامچندر کی خاطر ان کی فرمائش پر اس انگریزی کتاب کے ایک باب کا ترجمہ کیا تھا جو رامچندر اسلام کی تردید میں لکھ رہے تھے۔ اس پر دلی والوں نے بڑا شور مچایا تھا یہاں تک کہ مولوی عبدالقادر، نذیر احمد کیلئے کفر کا فتوی لے آئے تھے۔[1]

ذکاءاللہ کو اپنے استاد سے جو خلوص تھا اور ان دونوں میں جو راہ و رسم تھی اسے دیکھ کر لوگوں کو مغالطہ ہوتا تھا کہ رامچندر ذکاءاللہ کو بھی اپنی طرح «کرسٹان» بنالینا چاہتے ہیں۔

ذکاءاللہ نے غدر کے ہنگامے میں رامچندر کا بڑا ساتھ دیا تھا۔ رامچندر کے تبدیل مذہب کی وجہ سے ہندوستانی ان سے بدظن ہوگئے تھے۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ وہ انگریزوں کے گہرے دوست اور طرفدار ہیں۔ اسی لئے شربسندوں نے انہیں اذیت پہنچانے کی بڑی کوششیں کی تھیں۔ نذیر احمد نے ذکاءاللہ اور رامچندر کے باہمی تعلقات اور غدر میں ذکاءاللہ کی اپنے استاد کی خاطر جانبازی اور سرفروشی پر اس طرح تبصرہ کیا ہے:۔

---

[1] «شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ» از مسٹر نذیر احمد دہلی کالج نمبر ص (۱۳۹)

«ریاضی کے طلباء پروفیسر رامچندر کے محبوب شاگرد تھے .....
ذکاالله اور پروفیسر رامچندر کا بے لوث علمی و روحانی تعلق
لوگوں میں غلط فہمی کا باعث ہوا کہ رامچندر مولوی صاحب کو بھی
اپنی طرح کرشتان بنانا چاہتے ھیں لیکن انکی لازوال محبت اور
قربت ہی ذکاالله کو ایک وسیع الخیال مسلمان بنانے میں ممدو
معاون ثابت ہوئی اور اپنے ہونہار شاگرد کیلئے وہ ہر قربانی دینے
کو تیار تھے ان کا عیسائی مذہب اختیار کرنا غدر میں ان کی
صعوبتوں اور مصیبتوں کا باعث ہوا - پرنسپل ٹیلر، ڈاکٹر چمن لال
اور مولوی امام بخش صہبائی غدر کا شکار ہوچکے تھے بلوائیوں کا
دانت ان پر تھا شہر میں خونریزی اور غارت گری کی چنگاریاں
بھڑک رہی تھیں لیکن ذکاالله اپنے روحانی باپ پروفیسر رامچندر
کی حفاظت کیلئے کالج کی طرف بھاگے جارہے تھے - پروفیسر
رامچندر کچھ دنوں تک تو شہر میں چھپے رہے لیکن موقعہ پاکر
ذکاالله جیسے شاگردوں کی مدد سے بھیس بدل کر فرار ہونے میں
کامیاب ہوگئے - «غدر فرو ہونے پر ملٹری پاس حاصل کر کے
دوبارہ شہر واپس آگئے» -[1]

غدر کے زمانے میں پروفیسر رامچندر کو ان کے شاگردوں نے
بچایا ہو یا عزیزوں اور رشتہ داروں نے، لیکن یہ ایک حقیقت ھے کہ
غدر کا زمانہ رامچندر کے لئے نہایت پریشانی اور مصیبت کا زمانہ تھا -

مولوی عبدالحق نے رامچندر کی اس بپتا کو دوسرے ہی رنگ میں
پیش کیا ھے وہ لکھتے ھیں :-

---

[1] «شمس العلماء مولوی ذکاالله» از نذیر احمد - قدیم دھلی کالج نمبر ص (۱۳۹)

« ماسٹر رامچندر پیدل چل کر بن چکی کی سڑک پر ہوتے ہوئے قلعہ کے سامنے آئے انہوں نے دیکھا کہ چند ترک سوار یا مغلوں کا دستہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے لال ڈگی کی سڑک پر آرہا ہے یہ اسے دیکھ کر اپنے گھر کی طرف مڑ گئے اور چاندنی چوک کے کوٹھے پر صحیح سلامت پہنچ گئے وہاں سے انہیں انکے بھائی شنکر داس اپنے ساتھ لے گئے اور کایستھوں کے محلے میں اپنے کسی عزیز کے ہاں جا چھپایا مگر ان کے اقربا نے اس خیال سے کہ ان کی وجہ سے کہیں ہم پر آفت نہ آئے ان کا وہاں زیادہ مقام گوارا نہ کیا ان کا ایک قدیم نوکر جاٹ تھا اس نے بڑی وفاداری اور رفاقت کی - انہیں جاٹ بنا کر گنواروں کے سے کپڑے پہنا پگڑی بند ہوا اپنے گاؤں لے گیا اور وہاں رکھا وہاں سے یہ بادلی کی سرا میں انگریزی لشکر سے جا ملے » -[1]

۱۸۵۷ء کی پریشانیوں کا سامنا کرنے کے بعد سنہ ۱۸۵۸ء میں انہیں اطمینان نصیب ہوا - اور وہ « ٹامس سول انجیرنگ کالج » کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے اور یہ خدمت انہوں نے نہایت خوش اسلوبی اور سلیقے کے ساتھ انجام دی - ستمبر ۱۸۵۸ء میں وہ دھلی ڈسٹرکٹ اسکول کے ہیڈ ماسٹر منتخب کئے گئے اور یہاں بھی انہوں نے بڑی تندی اور عرق ریزی سے اپنا فرض انجام دیا - فرض کے سامنے وہ دنیا کی ہر چیز ہیچ سمجھتے تھے - اس جانکاہی اور مسلسل محنت سے رامچندر کی صحت بگڑ گئی اور ۲۴ - مئی سنہ ۱۸۶۲ء کو انہوں نے اپنی جسمانی حالت اور صحت کی خرابی کا لحاظ کرتے ہوئے علمی پنشن کی درخواست پیش کی

---

[1] « مرحوم دھلی کالج » مولوی عبدالحق ص (۱۵۸)

یہ عجب بات ھے کہ گورنمنٹ نے کئی دفعہ ان کی علمی اور ادبی خدمات کو سراہا تھا لیکن جب رامچندر نے وظیفے کی استدعا کی تو حکومت نے قواعد اور واقعات کی چھان بین میں ایک عرصے تک انہیں پریشان رکھا - آخر ایک سو پچاس روپیہ ماہانہ کی پنشن منظور ہوئی جو کسی طرح انکی خدمات کا منصفانہ صلہ نہ تھا -

رامچندر کا جسمانی انحطاط ان کی دماغی قوتوں کو مضمحل نہ کر سکا ، اپنے ہم وطنوں کی خدمت کا شوق انہیں پٹیالہ لے گیا اور وہ وہاں ناظم تعلیمات مقرر کر دئے گئے -

پٹیالہ کے مہاراج بڑے جوہر شناس آدمی تھے اور علمی اور ادبی خدمات کا صلہ بڑی فراخ دلی سے دیا کرتے تھے ، انہوں نے رامچندر اور سید امداد علی کو ایک ایک ہزار روپیہ سالانہ کے گاؤں بطور انعام عطا کئے بعد میں ماسٹر رامچندر جب سررشتہ تعلیمات کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے تو مہاراجہ پٹیالہ نے ان کی ماھانہ تنخواہ دو ہزار (۲۰۰۰) روپیہ مقرر کردی اور انہیں اپنا اتالیق بنا لیا -[1]

مسلسل کام اور دماغی محنت کی وجہ سے ان کی صحت خراب ہوچکی تھی ، اس قدردانی سے فائدہ اٹھانے کے لئے وہ زیادہ دن زندہ نہ رہ سکے بشاش اور مولوی عبدالحق نے انکا سنہ وفات ۱۸۸۰ء بتایا ھے - زندگی کے آخری دنوں میں مذہب کی طرف رامچندر کا میلان بہت بڑھ گیا تھا اور مذہبی مباحث اور مناظروں میں وہ بہت حصہ لینے لگے تھے -

---

[1] « تاریخ پٹیالہ » مصنفہ خلیفہ سید محمد حسین - ص (۲۲۷)

مذہب | «سیرالمصنفین» میں محمد یحیٰی تنہا رامچندر کے مذہب کے متعلق لکھتے ہیں :-

«اگرچہ آپ کا نام ظاہر کرتا ہے کہ آپ ہندو ہیں لیکن دراصل آپ عیسائی مذہب رکھتے تھے جسکو آپ نے بڑے مباحثوں کے بعد اختیار کیا تھا۔»[1]

«تاریخ نثر اردو» کے مصنف احسن مارہروی رامچندر کے تبدیل مذہب کے واقعہ پر شبہ ظاہر کرتے ہیں اس زمانے کے مختلف اخبارات[2] نے اس واقعہ پر جس انداز سے تبصرہ کیا ہے اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رامچندر اور ڈاکٹر[3] چمن لال کے عیسائی مذہب اختیار کرنے سے شہر دہلی بلکہ ہندوستان بھر میں تہلکہ مچ گیا تھا۔ اس زمانے کے ایک مشہور اخبار «اخبارالحقایق» نے اس واقعے کو ایک سنسنی خیز خبر کے طور پر شایع کیا تھا۔ چنانچہ اس اخبار میں «دہلی میں نئے مرید» کے زیر عنوان یہ خبر شایع کی گئی تھی کہ :-

«اگرہ سنیچر» نامی ۱۷۔ تاریخ کے اخبار سے واضح ہوا کہ شہر دہلی میں ایک نیا عجیب ماجراء وقوع میں آیا۔ وہاں کے کالج

---

[1] سیرالمصنفین۔ محمد یحیٰی تنہا۔ ص (۱۹۲)

[2] ملاحظہ ہو «اخبارالحقایق» «دہلی اردو اخبار» اور «آگرہ سنیچر»

[3] ڈاکٹر چمن لال دہلی کے فرسٹ سب اسٹنٹ سرجن تھے وہ عیسائی ہوگئے تھے عیسائی مذہب اختیار کرنیکے کی وجہ سے غدر کے ہنگامے میں دہلی کالج کے پرنسپل ٹیلر اور امام بخش صہبائی کے ساتھ انہیں بھی قتل کردیا گیا۔ ہم عصر اخبارات میں انکے عمل جراحی اور دواخانے کی بڑی تعریف ملتی ہے۔

کے علاقے میں اهل علم ایک هندو رام چرن (رام چندر) نامی
مدرس کے عہدہ پر سرفراز ہوا (تھا) صاحب نے اس کالج کے
متعلق لڑکپن میں ترتیب پائی تھی شروع سے علم ریاضی کا بہت
شوق رکھتا تھا اوراس میں ایسی ترقی کی کہ خاص کر کے الجبراء میں
بہت سی باتیں نئی طرح سے حساب کرنے بلکہ اس نے ایک کتاب
تصنیف کی جس میں تدبیر مذکور مفصل بیان ہوا ہے - کتاب
مذکور ولایت کو بھیجی گئی اور وہاں کے عالموں نے ٹھرایا کہ
باوجودیکہ حساب کے انجام نئے ہیں تو بھی ان تک پہنچنے کی
تدبیر نئی واجب تھی کہ ایسا معروف عالم شخص سب علوم کی
تجویزیں اپنے تئیں صاحب امتیاز ظاهر کرنے دین عیسوی کو تحقیق
کرنا اسکے نزدیک ایک « بڑا کام تھا اور بہت غور کے بعد
اس نے اسے حق اور واجبی ٹھرایا » -[1]

« دهلی اردو اخبار » نے بھی اس موقع کو غیر معمولی اهمیت دی
تھی اور اس خبر کی جزئیات کو بھی نہایت تفصیل کے ساتھ اس طرح
لکھا تھا :-

« معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب دهلی کے رئیس نے اپنی حویلی بوقت
هندوستانی مجلس کیلئے کھول دی تھی اور هندوؤں اور اہل اسلام
کو دعوت دی تھی کہ دین کے مقدمہ کی خوب تحقیقات کریں
فقط ایک شرط تھی کہ جو شخص اپنے دین کی بے بنیادی کا قائل
ہوجائے اس پر یہ فرض ٹھرا کہ اسے چھوڑ دے اور سچے دین
کو اختیار کرے اس مجلس میں رامچندر اور چمن لال دونوں

[1] اخبار الحقایق - ۱۸ - آگسٹ سنہ ۱۸۵۲ء

شامل تھے اور دین عیسوی کی سچائی کے قائل ہوئے۔ دونوں نے اسے منظور کیا معلوم ہوتا ھے کہ اس اتوار کو جب گرجا گھنٹہ بجانے لگے ایک بڑی بھیڑ فوراً چاروں طرف سے دوڑی پادری صاحب اتوار کی نماز پڑھتے، پر ہلڑ کے سبب تمام نہ کر سکے اسی حالت میں باقی نماز کو چھوڑ دیا اور حوض کے پاس جا کے مریدی خواہوں کو بلایا جبکہ اصطباغ ہو چکا ایک بڑی بھیڑ نے دونوں مریدوں کا پیچھا کیا اور ظاھر ضرر پہنچانے پر مستعد ہوئے پر دونوں نے ھسپتال میں پناہ لی اور پھاٹکوں کو بندکرا دیا»۔[1]

ڈاکٹر چمن لال اور رامچندر نے ٥۔ مئی سنہ ۱۸۵۲ء کو جب بپتسمہ لیا تو دھلی والوں نے دلی کالج کے پرنسپل ٹیلر صاحب کے خلاف غل مچانا شروع کیا کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ٹیلر کی صحبت نے رامچندر اور ان کے ساتھیوں کو اپنے مذہب سے متنفر کر کے عیسائیت قبول کرنیکی ترغیب دلائی تھی۔ رامچندر کے تبدیل مذہب کا کالج پر برا اثر پڑا اور اور چوبیس، پچیس لڑکوں نے اپنے نام کالج سے اس لئے کٹوائے کہ کہیں رامچندر اپنی طرح انہیں بھی «کرسٹان» نہ بنا لیں۔ اس واقعے سے رامچندر کو نہایت تلخ تجربات، بدنامی اور رسوائی سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن وہ بڑے مستقل مزاج، بے خوف اور راسخ الاعتقاد آدمی تھے جس بات میں انہیں صداقت نظر آتی اس کی حمایت میں وہ جان کی بازی بھی لگانے تیار ہوجاتے تھے۔ مذہب کے متعلق وہ مخصوص نظریہ رکھتے تھے مثلاً یہ کہ:۔

«آدمی مذہب کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ انسان اگر ایک مذہب ترک کرے تو دوسرا ضرور اختیار کرلے یہ بات ہمیشہ سے دنیا میں

---

[1] «دھلی اردو اخبار» مورخہ ۱۸۔ جولائی سنہ ۱۸۵۲ء

ہوتی آئی ھے اور ہمیشہ ہوتی رہیگی انسانیت کی خدمت خدا کی خدمت سے کچھ کم نہیں »۔[1]

رامچندر نے « انسانیت » کی جو « خدمت » انجام دی تھی اسکا اعتراف نہ کرنا علم و ادب کی ایک زندہ صداقت کا انکار کرنا ھے۔ مغرب کی جدید سائنس ، ریاضی ، تاریخ ، نجوم ، جغرافیہ اور ادب کو آگے بڑھانے انہیں عام فہم اور سہل انداز میں عوام تک پہنچانے اور ان پر مزید تحقیق کرنے کیلئے پروفیسر رامچندر نے اپنے اخبار ، رسالے اور اپنے مضامین اور تصانیف کے ذریعہ سے جو کام انجام دیا ھے وہ اس وقت تک غالباً کسی اور شخص سے ممکن نہ ہوسکا تھا۔

تصانیف | ماسٹر رامچندر کی طبعیت کو ریاضی سے خاص مناسبت تھی اور اس علم میں ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا چونکہ وہ انگریزی زبان سے بخوبی واقف تھے اس لئے یورپ اور انگلستان کے مختلف ریاضی دانوں کی تصانیف پڑھنے اور معلومات میں اضافہ کرنیکا انہیں اچھا موقعہ ملا تھا۔ یوں تو بچپن ہی سے انہیں ریاضیات سے خاص دلچسپی تھی لیکن دھلی کالج میں استاد مقرر ہونیکے بعد سے یہ ذوق اور بھی ترقی کر گیا تھا۔

۲٤- فبروری سنہ ۱۸٤٤ء کو جب رامچندر پچاس روپیہ ماہوار پر دھلی کالج میں سائنس کے استاد مقرر ہوئے تو اس زمانے میں « دھلی ورنا کیولر ٹرانسلیشن سوسائٹی » نئی نئی قایم ہوئی تھی ، انہوں نے اس

---

[1] پروفیسر رامچندر بحیثیت ایک صحافی کے » از قاسم علی سجن لال « اسلامک کلچر » جنوری سنہ ۱۹٤۹ء ص (۲۲)

سوسائٹی کیلئے الجبرا اور علم مثلث پر کتابیں لکھیں جنہیں بعد میں کالج کے نصاب میں بھی داخل کرلیا گیا تھا۔ اسکے علاوہ اسی فن پر ایک رسالہ بھی تصنیف کیا تھا جو اصول علم مثلث سے متعلق تھا۔ تراشہائے مخروطی اور علم ہندسہ پر بھی ان کی تصانیف قابل قدر کتابیں سمجھی جاتی تھیں۔ ریاضی کے اسی شوق کا نتیجہ تھا کہ رامچندر نے اپنی وہ مشہور و معروف کتاب تصنیف کی جس نے نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ اور انگلستان میں بھی ان کا نام روشن کردیا اور وہ دنیا کے چوٹی کے ریاضی دانوں میں شمار کئے جانے لگے۔

یہ کتاب «میکزیما اینڈ منی ما» کے مسائل پر لکھی گئی تھی رامچندر کو یقین کامل تھا کہ اسی کتاب کے ذریعہ ایک دن دنیا ان کے علمی تبحر اور خدمات کی اہمیت کو محسوس کرلیگی چنانچہ اس کتاب کو لیکر وہ کلکتہ پہنچے اور ڈاکٹر اسپرنگر کے توسط سے آنریبل جے۔ آئی ڈرنک واٹر بیٹسن سے ملاقات کی۔ کلکتہ میں انہوں نے اپنی کتاب کے چھتیس صفحات بطور تحفہ تیھون صاحب کو دئے جس پر انہوں نے رامچندر کو بیس روپیہ عنایت کئے اور اس کتاب کے چند نسخے پروفیسر ڈی مارگن کو بھی روانہ کئے۔ پروفیسر ڈی مارگن نے کورٹ آف ڈائرکٹرس کے صدر سائکس کو سنہ ١٨٥٦ء میں یہ نسخے دکھائے جنہوں نے اس کتاب کو کورٹ آف ڈائرکٹرس میں رائے کیلئے گشت کرایا۔

پروفیسر ڈی مارگن نے اس کتاب سے خاص دلچسپی کا اظہار کیا اور اسکے چند نسخے چھپوا کر بڑے بڑے علمی اداروں کورائے کیلئے بھیجا بورڈ آف ڈائرکٹرس نے اسکے متعلق جو رائے دی تھی اسکا اقتباس نیچے درج کیا جاتا ہے:-

« میکزیما اینڈ منی ما » کے مسائل پر ایک رسالہ پروفیسر رامچندر نے لکھا ہے اور ان مسائل کو الجبرا کے ذریعہ حل کیا ہے۔ رامچندر دلی کالج میں سائینس کے لکچرار ہیں۔ یہ رسالہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے « کورٹ آف ڈائرکٹرس » نے دوبارہ شایع کرایا ہے تاکہ انفرادی غور و فکر کے صلے میں جو ہندوستان کی قومی ترقی کیلئے بہت اہمیت رکھتا ہے، مصنف کو سند دی جائے۔ یہ کام پروفیسر آرگس ڈی مارگن اِف۔آر۔اے۔ایس۔آف سی۔پی۔ایس ٹری نٹی کالج، کیمبرج نے جو " یونیورسٹی آف لنڈن » میں ریاضیات کے پروفیسر ہیں اپنی نگرانی میں انجام دیا ہے۔ دی۔سی۔ایلن »۔[1]

کورٹ آف ڈائرکٹرس سے ایک مدت تک رامچندر کی مراسلت جاری رہی اور سنہ ۱۸۵۹ء میں انہیں خلعت پنچ پارچہ اور دو ہزار روپیہ نقد بطور انعام عطاء کئے گئے۔ مسٹر ولیم ڈی آرنلڈ، ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن نے دہلی میں ایک بڑا جلسہ منعقد کیا اور وہاں کے تمام امراء اور شرفاء اور عہدہ داروں کو مدعو کیا گیا اور حکومت کی طرف سے ماسٹر رامچندر کو ان کی خدمات کے صلے میں کیسہ زر اور خلعت پیش کیا گیا۔

اصول جبر و مقابلہ ماسٹر رام نے ۱۸۴۵ء میں الجبراء پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی اور اس میں جبر و مقابلہ کے اصولوں اور قاعدوں سے مفصل بحث کی تھی۔ یہ کتاب اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے۔ اسکے سرورق پر انگریزی میں اوپر لکھا ہوا ہے « دی ایلیمنٹس آف الجبراء۔ بائی

[1] کلکتہ ریویو۔ ج ۱۴ صفحہ (۳۲) کلکتہ ریویو کا یہ شمارہ پروفیسر قاسم علی سجن لال کے یہاں موجود ہے۔

رامچندر آف دی دهلی کالج » اور نیچے اردو میں « اصول جبر و مقابله جسکو رامچندر مدرس علوم انگریزی مدرسه دهلی نے سنه ۱۸٤٥ء میں تالیف کیا۔ دهلی اردو اخبار پریس مکان مولوی محمد باقر صاحب واقع گذر اعتقاد خان میں باهتمام پنڈت موتی لعل پرنٹر اور پبلیشر کے چھاپه هوا » لکھا هے۔ اصول جبر و مقابله (٤٧٨) صفحات پر مشتمل هے اور اس میں یه سات باب هیں۔

(۱) اول باب بیچ بیان حدود اور علامتوں کے۔

(۲) اول درجه کی مساوات کے بیان میں۔

(۳) بیچ بیان ثبوت ضابطه نیوٹن صاحب کے۔

(٤) بیچ بیان حل کرنے سوالات هندسے کے بوسیله جبر و مقابله کے۔

(٥) بیچ بیان قاعده تفریق کے۔

(٦) بیچ بیان اُس قاعدے ضرب اور تقسیم کے جس میں امثال تصاویر جبر یه یعنی حروف کے علحده کئے جاتے هیں۔

(۷) فصل اول بیچ بیان ایک خاص ترکیب کے جسکے ذریعے سے صورت جبر یه ط ن^{۲} + ۱ ۔ ایک مجذور اعداد صحیح میں هوجائے۔

اس کتاب کے دیباچے میں رام چندر لکھتے هیں که اسکے پہلے چار باب بہت اہم هیں اور اس قابل هیں که انہیں بہت توجه کے ساتھ پڑھا جائے دوسری بات راچندر نے یه بتائی هیکه اس میں انہوں نے جبر و مقابلے کے بہت سے اصولوں سے بحث کی هے تا که اس کے « شائقین » کو اہم اصولوں سے واقفیت حاصل ہو جائے۔

اس کتاب کے علاوہ رامچندر نے «تفرقی احصاء» کا ایک نیا طریقہ (جو خود انہوں نے ایجاد کیا تھا) پیش کیا۔ اس کتاب پر پروفیسر رامچندر کی بڑی تعریف کی گئی۔ اسطرح رامچندر کے کارناموں کو انگلستان کے علماء اور اساتذہ نے بھی خراج تحسین ادا کیا۔ اور ہندوستان کے کالجوں میں ان کی کتابیں نصاب میں شامل کی جانے لگیں۔

تذکرۃ الکاملین | پروفیسر رامچندر کی طبیعت میں جو رنگا رنگی تھی وہ ان کی تصانیف میں بھی نظر آتی ہے۔ ریاضی کے علاوہ انہوں نے دوسرے علوم پر بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور «تذکرۃ الکاملین» ہے۔ اس کتاب میں رامچندر نے بڑی تحقیق اور جستجو کے بعد روم اور یونان کے مشہور فلسفیوں اور شعراء کے حالات زندگی عربی اور انگریزی کتابوں سے بڑی جانفشانی کے ساتھ اخذ کر کے لکھے ہیں۔

«تذکرۃ الکاملین» رامچندر کی زندگی ہی میں بہت مقبول ہوچکی تھی اور اسکے دو تین ایڈیشن شایع ہونیکے باوجود اسکی کافی مانگ تھی۔ اس کتاب کے متعلق امداد صابری نے لکھا ہے :—

> «ماسٹر صاحب کی کتابوں کے علاوہ «تذکرۃ الکاملین» کے مصنف بھی ہیں جس میں روم اور یونان کے مشہور و معروف فلاسفروں اور شعراء کے مختصر حالات انگریزی اور عربی کتابوں سے اخذ کر کے لکھے گئے ہیں۔ اس میں بعض انگریزی شعراء اور فلسفی بعض مشہور اہل ہند مثلاً والمیک ، شنکراچاریہ اور بھاسکر جوتشی کے حالات بھی درج ہیں»۔[1]

---

[1] «تاریخ صحافت اردو» ج۔ ۱ سنہ ۱۹۵۳ء ص (۲۱۶)

یہ کتاب پہلی بار سنہ ۱۸۴۹ء میں دھلی مطلع العلوم میں چھپی تھی۔ دوبارہ جون سنہ ۱۸۷۲ء میں مطبع نولکشور سے شایع ہوی۔

امداد صابری لکھتے ہیں کہ «تذکرۃ الکاملین» دوسری دفعہ ۱۸۸۷ء میں شایع ہوئی تھی یہ غلط ھے۔ دوسری بار جب یہ کتاب شایع ہوئی تو مصنف نے سترہ سطروں کا ایک «اعلان» بھی بطور دیباچہ اس میں شامل کردیا تھا جس میں وہ بیان کرتے ھیں کہ پہلی بار انہوں نے تذکرۃ الکاملین سرتھیا فلس مٹکاف کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے لکھی تھی اور انکا مقصد یہ تھا کہ جو ھندوستانی انگریزی زبان سے ناواقف ھیں اور جو یونان، روم اور انگلستان کے مشاہیر کے حالات انگریزی کتابوں سے نہیں معلوم کرسکتے انہیں اردو میں یہ معلومات حاصل ہوجائیں «تذکرۃ الکاملین» کے آخر میں راچندر یہ کتاب سرتھیا فلس مٹکاف کے نام معنون کرتے ہوئے لکھتے ھیں «میں یقین کرتا ہوں کہ آپکو شوق اس امر سے بہت ھے کہ ترقی علوم کی اہل ھند میں ہو تو میں آپ کے نام سے یہ کتاب تیار کرتا ہوں تاکہ آپکے نام مبارک کے باعث سے اسکی علم دوست قدر کریں»۔ آخر میں راچندر نے اپنا نام لکھا ہے اور «۲۳۔ تاریخ سنہ ۱۸۴۹ء» لکھا ھے۔ لیکن انگریزی میں انہوں نے اسکا ترجمہ کرکے یکم اکتوبر سنہ ۱۸۴۹ء لکھا ھے۔ یہ کتاب راچندر نے قیام دھلی کے زمانے ہی میں لکھی تھی۔ اس میں دو سو صفحات ھیں اور افلاطون، ہومر، ارسطو، نیوٹن، جولیس سیزر، پومپی، سکندر، سسرو، بیکن اور شکسپیر اور بعض دوسرے مشاہیر کی تصویریں بھی موجود ھیں۔

«تذکرۃ الکاملین» کے متعلق گارسان دتاسی لکھتے ھیں:—

«تذکرۃ الکاملین» اس زمانے کی ایک ھندوستانی زبان کے مصنف

رامچندر کی تالیف ھے۔ یہ اور بھی بہت سے کتابوں کے مولف ھیں یہ تذکرہ جو دھلی میں سنہ ۱۸۴۹ء میں طبع ہوا صرف شعراء ہی کیلئے مخصوص نہیں بلکہ اس میں دوسرے اشخاص کا بھی ذکر ھے»۔[۱]

اس کتاب کا تعارف خود ماسٹر رامچندر نے «فوائدالناظرین» میں اس طرح کرایا تھا:—

«اوپر شایقین علم و تواریخ اور اہل علم دوست کے واضح ہو کہ ایک نئی کتاب اس عاصی کی تصنیف سے تیار ہوئی ھے۔ تفصیل اسکی یہ ھیکہ اس کتاب میں حالات بڑے بڑے فاضلوں اور حکیموں یونان مثل سقراط اور بقراط اور افلاطون اور لقمان وغیرہ معہ تصویرات ان کیے ہوگا اور حالات شہنشاھان اور قیصران رومۃ کبری کے جو ایک وقت میں قریب تمام دنیا کے مالک تھے اور بسبب کم ہونے علم کے اور گذرنے حالات کے ان کے حال سے لوگ بالکل ناواقف ھیں اور غافل ہوگئے ھیں اس کتاب میں درج ہوں گے....... واضح ہو کہ اب تک کوئی ایسی کتاب نہیں بنی تھی۔ یہ نیاز مند مختلف کتب میں سے چن کر اس کتاب کو تیار کریگا اور صفحے اس کتاب کے قریب دو سو کے ہونگے»۔[۲]

عجائبات روزگار «تذکرۃ الکاملین» کے علاوہ رامچندر نے ایک اور کتاب «عجائبات روزگار» کے نام سے تصنیف کی تھی۔ ماسٹر رامچندر کی ادبی

---

[۱] «خطبات گارسان دتاسی» ص (۱۰۵)

[۲] «فوایدالناظرین» اگسٹ سنہ ۱۸۴۸ء ن ۱۶۔ج۔۳ ص (۱۶۷)

کتا ہوں میں اس کتاب کا تذکرہ سوائے گارساں دتاسی کے اور کسی نے نہیں کیا ہے۔ اردو کا کوئی تذکرہ نگار ایسا نہیں ملتا جس نے اس تصنیف سے واقفیت کا اظہار کیا ہو راقم الحروف کو اپنی تحقیق اور مطالعہ کے دوران میں یہ کتاب دستیاب ہوئی ہے[۱]۔ «عجائبات روزگار» پہلی دفعہ سنہ ۱۹۴۷ء میں مطبع دھلی اردو اخبار سے شایع ہوئی تھی یہ مطبع محمد حسین آزاد کے والد محمد باقر کا تھا، جو دھلی اردو اخبار نکالا کرتے تھے۔ اس کتاب کو محمد باقر نے خاص اپنی نگرانی میں پنڈت موتی لال پرنٹر سے چھپوایا تھا «عجائبات روزگار» دوسری دفعہ سنہ ۱۸۷۲ء میں شایع ہوی اور پھر تیسری مرتبہ سنہ ۱۸۷۳ء میں نول کشور پریس میں طبع ہوئی تھی۔

«عجائبات روزگار» کے دیباچے میں ماسٹر رامچندر نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے :۔

> « یہ کتاب تین باب پر منقسم ہے اول باب مشتمل ہے اوپر حال عجیب و غریب چیزوں کے معہ نقشہ جات و تصاویر کے۔ دوسرے باب میں مضامین پند و نصایح کے جوہر شخص کے واسطے عموماً سود مند ہیں درج کئے گئے ہیں۔ تیسرا باب متضمن ایسے حالات تواریخ کے معہ تصویرات ہے جو قابل جاننے کے ہیں صاحبان دانش و بینش سے اس عاجز کم فہم کی یہ استدعا ہے کہ اگر کسی جا خطا اس کتاب میں سرزد ہوئی ہو تو اپنی نظر عیب پوش کو کام فرمائیں »۔[۲]

---

[۱] یہ کتاب اب نایاب ہے اسکا ایک نسخہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے۔

[۲] دیباچہ عجائبات روزگار۔

«عجائبات روزگار» اپنے زمانے میں بہت مقبول ہوئی تھی اور بہت سے انگریزوں اور ہندوستان کے معززین اور امراء نے اسکو نہایت شوق سے خریدا تھا۔ مدرسہ دھلی کے پرنسپل ڈاکٹر اسپرنگر نے تو اسکی تیس جلدیں خرید لی تھیں۔ دھلی کے مجسٹریٹ ای۔ای۔رابرٹ، فریڈرک ٹیلر، لڈلو پولیٹکل ایجنٹ جے پور، جناب ای فریزر صاحب مجسٹریٹ، مولوی محمد باقر، نواب ضیا الدین خان بہادر رئیس اعظم پور اور مفتی صدرالدین خان بہادر صدر الصدور دھلی اس کتاب کے خریداروں اور مداحوں میں سے تھے[1]۔

عجیب بات یہ ھے کہ گارسان دتاسی جہاں اس تصنیف کا تذکرہ کرتا ھے، ایسا معلوم ہوتا ھکیہ وہ «عجائبات روزگار» اور «تذکرۃ الکاملین» کو خلط ملط کر دیتا ھے چنانچہ اسکا نوٹ حسب ذیل ھے :۔

«تذکرۃ الکاملین» میں مظاہر قدرت قابل قدر آثار اور غیر معمولی جانوروں کا تذکرہ ھے اس کتاب میں کسی قدر اخلاق و تاریخ سے بھی بحث کی گئی ھے۔ یا «عجائبات روزگار» کا جو درحقیقت اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن معلوم ہوتا ھے مگر نام بدل دیا گیا»[2]۔

گارسان دتاسی کے اس بیان سے شبہ ہوتا ھے کہ اسکی نظر سے تذکرۃ الکاملین اور عجائبات روزگار نہیں گزری تھیں اور شاید جو معلومات ان کتابوں کے بارے میں دتاسی تک پہنچی تھیں وہ صحت پر مبنی نہیں تھیں

[1] فوائد الناظرین ۱۹۔اپریل سنہ ۱۸٤۷ء ج ۲۔ن ۷۔ ص (۵۵)

[2] خطبات گارسان دتاسی۔ خطبہ ٦ ص (۱۸۷)

یہ شبہہ اس واقعے کے مد نظر اور بھی قوی ہو جاتا ہے کہ دتاسی نے ماسٹر رامچندر کی دوسری تصانیف کے بارے میں بھی اسی طرح کی غلطیاں کی ھیں خود مصنف کا نام بھی اس نے اکثر جگہ مختلف طور پر لکھا ھے۔ اسی طرح دتاسی نے یہاں بھی دو مختلف موضوعات پر لکھی ہوئی کتابوں کو ایک ھی کتاب سمجھ لیا ھے حالانکہ یہ دونوں تصانیف الگ الگ سنین میں شایع ہوئی تھیں «تذکرۃ الکاملین» سنہ ۱۸۴۹ء میں چھپی تھی اور «عجائبات روزگار» سنہ ۱۸۴۷ء میں۔ اول الذکر میں مختلف حکماء اور فلسفیوں اور مشاہیر کا تذکرہ ھے اسکے برخلاف «عجائبات روزگار» میں انسان اور قدرت کے عجیب و غریب کرشموں مثلاً آتش فشاں پہاڑ، اہرام اور تماشہ گاہ روم (ایمفی تھیٹر) وغیرہ کا تذکرہ ملتا ھے یا دنیا کے مختلف عجیب و غریب جانوروں کا حال لکھا گیا ھے، اور اسکا تذکرہ مصنف نے «فوائد الناظرین» میں بھی کر دیا ھے[1] ایسا معلوم ہوتا ھے کہ دتاسی نے «فوائد الناظرین» سے بھی کتابوں کے ناموں کے بارے میں استفادہ نہیں کیا تھا حالانکہ اپنے خطبات اور مقالات میں وہ اس اخبار کا کئی جگہ تذکرہ کرتا ھے۔ مصنف نے خود «فوائد الناظرین» میں ان کتابوں پر جو تبصرہ کیا تھا اگر وہ دتاسی کی نظر سے گزرتا تو اس کو اس طرح کا تسامح نہ ہوتا۔

بھوت نہنگ | رامچندر نے سنہ ۱۸۵۱ء میں ایک اور کتاب «بھوت نہنگ» بھی لکھی تھی۔ راقم الحروف کو تلاش کے باوجود یہ کتاب دستیاب نہ ہوسکی «فوائد الناظرین» اور دتاسی کے خطبات سے اس کتاب کا پتہ چلتا ھے۔ اپنے اخبار «فوائد الناظرین» میں رامچندر نے اسکا حسب ذیل اشتہار دیا تھا:۔

---

[1] «فوائد الناظرین» اگسٹ سنہ ۱۸۴۸ء ن ۱۶۔ج ۳ ص (۱۶۷)

«واضح ہو کہ چند روز ہوئے ایک رسالہ در باب بھوتوں کے اور منتروں وغیرہ کے ایک پنڈت گجراتی نے تالیف کیا اور اسکا ترجمہ ایک صاحب نے انگریزی میں کیا اور اسکا ترجمہ اردو میں مہتمم اس پرچے نے کیا اسکے قریب ایک سو پچاس صفحے ھیں اور اسکے مضامین بہت دلچسپ اور مفید ھیں جو صاحب اسکو پڑھیں گے انہیں معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے فریب اور دغا بازی بعض انسان کرتے ھیں اور بیچارے ناواقفوں اور نادانوں کو لوٹتے ھیں اور رنج دیتے ھیں۔ پس اس رسالے سے یہ فائدہ منظور ھے کہ اسکے ناظرین ان فریبوں وغیرہ سے خبردار ہو جائیں»۔[1]

اس کتاب کا حوالہ بھی اردو ادب کی تاریخوں یا نثر کے تذکروں میں کہیں نہیں ملتا۔ گارسان دتاسی نے اپنے خطبات میں اس کتاب کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ھیں وہ حسب ذیل ھیں:۔

«مجھے آپ کے سامنے راجندر کے رسالے بھوت نہنگ کا تذکرہ بھی کرنا چاھئے یہ ہندو ادیب جسکا میں آپ سے تعارف کرا چکا ہوں عیسائی ہو گیا ھے اسکی اس کتاب کا مقصد ھندوستانیوں کو بھوت پریت پر عقیدت رکھنے سے باز رکھنا ھے»۔[2]

اعجاز قران یا اعتراض قران بھوت نہنگ کے علاوہ دتاسی نے راچندر کی ایک اردو کتاب «اعتراض قران» کا بھی تذکرہ کیا ھے۔ مقالات میں وہ لکھتے ھیں:۔

---

[1] «فوائد الناظرین» مئی سنہ ۱۸۵۱ء ن ۹۔ ج ٦۔ ص (۷۱)

[2] خطبات گارسان دتاسی چھٹا خطبہ ص (۱۸۷)

«اعتراض قران» میں رامچندر نے اسلامی عقائد پر تنقید کی ھے -[1]

اس کتاب کا ذکر گارسان دتاسی کے علاوہ دیبی پرشاد بشاش نے بھی اپنے تذکرے میں کیا ھے - بشاش اس کتاب کے نام کے بارے میں دتاسی کے ہم خیال نہیں ھیں - وہ اس کتاب کا نام «اعجاز قران» بتاتے ھیں - بشاش اپنے تذکرے میں تحریر کرتے ھیں: --

«عیسائی ہونیکے بعد انھوں نے (رامچندر نے) کئی کتابیں مسلمانی مذہب کی تردید میں مثل «اعجاز قران» وغیرہ تصنیف کیں» -[2]

حالیہ زمانے کی تحریروں میں اس کتاب کا حوالہ «قدیم دھلی کالج نمبر» میں ھربنس لال کے ایک مضمون میں ملتا ھے - وہ بشاش کے ہم خیال ھیں اور اس کتاب کا نام انھوں نے «اعجاز قران» بتایا ھے - اس کتاب کے نام کے بارے میں دتاسی کے بیان کی جانچ پڑتال کریں تو معلوم ہوتا ھیکہ یہاں انھیں تھوڑا سا تسامح ہوا ھے - غالباً انھوں نے یہ سمجھا کہ رامچندر نے چونکہ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر عیسائی مذہب اختیار کیا تھا اور وہ عیسائیت کو دوسرے مذاہب سے زیادہ جامع سمجھنے لگے تھے اسلئے انھوں نے عیسائیت کی عظمت واضح کرنے کیلئے اسلام کو نیچا دکھانے کی کوشش کی اور اسی مقصد کے پیش نظر یہ کتاب لکھی تھی ایک ایسی تصنیف کا نام جو اسلام اور قران کی تردید میں لکھی گئی ہو اور جسمیں اسلام کے اصولوں پر تنقید کی گئی ہو «اعتراض القران» ہو سکتا ھے -

---

[1] «مقالات گارسان دتاسی خطبہ» «ہندوستانی زبان اور ادب سنہ ۱۸۷۱ءمیں» ص (۷۷)

[2] «تذکرہ آثار الشعراے ہنود - دیبی پرشاد بشاش ص ٦٤

یہ کتاب اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے۔ اس کا نام اعتراض قران نہیں «اعجاز قران» ھے۔ اسٹیٹ لائبریری میں «اعجاز قران» کا جو نسخہ موجود ھے وہ دوسری دفعہ ترمیم کے بعد مشین پریس امرتسر سے ۱۸۹۵ء میں شایع ہوا ہے۔ یہ کتاب ایکسو چھپن صفحات پر مشتمل ھے اور اسمیں چھ باب ھیں اس کتاب کے سرورق پر انگریزی میں لکھا ہوا ھے «دی قران ری فیوٹڈ» اس کتاب کے سرورق سے ہمیں اس بات کا بھی علم ہوتا ھیکہ ماسٹر رامچندر دو اور مذہبی کتابوں «تحریف قران» اور «مسیح الدجال» کے بھی مصنف ھیں۔ ان کتابوں کا ذکر کہیں اور نہیں ملتا۔ «اعجاز قران» پنجاب ریلجیس بک سوسائیٹی کی نگرانی میں شایع کی گئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ھیکہ اس قسم کی مناظرے کی کتابوں کی اس زمانے میں بڑی مانگ تھی۔ دوسری دفعہ «اعجاز قران» کی ایک ہزار جلدوں کا شایع ہونا خود اسکی ایک دلیل ھے «اعجاز قران» کے آخری صفحہ پر کئی اور مسحیت کا پرچار کرنیوالی کتابوں کے نام درج ھیں یا ایسی کتابوں کے نام ھیں جو دوسرے مذاہب کے خلاف اور مسیحیت کی تائید میں لکھی گئی ھیں، جیساکہ مندرجہ ذیل ناموں سے اندازہ ہوسکتا ھے «عدم ضرورت قران» از پادری جی۔ایل ٹھاکرداس «شہادت قرانی» از سروليم ميور، «تنقيد خيالات»، «تیغ و سپر عیسوی»، «دین اسلام اور اس کی تردید از روئے اسلام»، «جواب اہل الکتاب»، «بیگناہی مسیح» از ڈاکٹر ہوپر صاحب «سیرت مسیح و محمد» از پادری جی۔ایل ٹھاکرداس اور «رد راۓ اسلام» از ایچ منسل وغیرہ وغیرہ۔

علم طبعی | رامچندر کے بہت سے علمی کارنامے ایسے ھیں جو اب نظر سے اوجھل ہوگئے ھیں۔ تذکروں میں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا۔

اسی لئے راچندر کی بہت سی تصانیف سے موجودہ زمانے کے لوگ ناواقف هیں۔ ان کی ایسی کتابوں میں سے ایک کتاب «علم طبعی» هے جسکا حواله کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ «فوائد الناظرین» میں ان کی بعض کتابوں کے نام اور ان پر خود مصنف کا تبصرہ محفوظ هے۔ «علم طبعی» کے بارے میں مذکور بالا رسالے میں حسب ذیل تحریر ملتی هے۔

«اوپر شایقین علم و ہنر کے واضح ہو که درینولا ایک کتاب «علم طبعی» جسمیں مضامین مفصل ذیل کے اکثر ان میں کے جو اب تک طبع ہوئے هیں نہیں پائے جاتے اس نیازمند کی تالیف سے طبع ہوے هیں وہ کتاب آٹھ باب میں منقسم هے اول میں ادارت اور وہ اسطرح پر که جہاں طولانی عبارت کچھ ضروری نه تھی وہاں اختصار کیا اور برعکس اسکے جہاں طوالت ضروری تھی اسکا لحاظ رکھا هے دوم میں علم ہئیت..... سوم علم آب و ہوا..... چہارم علم ہوا، پنجم مناظر، ششم الکٹریسٹی یعنی بجلی، ہفتم میگنٹیزم یعنی مقناطیس، باب ہشتم میں حال حرارت کا مندرج هے اور مضامین مشکل کو ایسے طریقه سہل پر بیان کیا گیا هے که ہر خاص و عام کے فہم میں بآسانی آجاویں»۔[1]

اصول علم ہئیت | «تاریخ نثر اردو» میں احسن مارہروی نے ان کی ایک اور کتاب «اصول علم ہئیت» کا ذکر کیا هے جو سنه ١٨٤٨ء میں دہلی سے شایع ہوی تھی۔

---

[1] «فوائد الناظرین» مارچ سنه ١٨٥١ء ۔ ن ٥ ۔ ج ٦ ۔ ص (٣٨)

ان کتابوں کے علاوہ. راچندر کی کئی اور چھوٹی بڑی کتابیں ھیں جنکا پتہ گارسان دتاسی کے خطبات سے چلتا ھے۔ ذیل کے اقتباس سے اسکا اندازہ ھوگا:—

«وہ (راچندر) متعدد مفید کتابوں کا مصنف اور مترجم ھے جن میں سے ایک «الجبرا» ھے جو برج اینڈ کیوب[1] کی تقلید میں لکھا گیا ھے ایک کتاب مثلث پر ھے جس میں مخروطات بھی شامل ھیں اور ایک کتاب علم ہندسہ پر ھے جو ہٹن اینڈ بچرلاٹ کے[2] طریقے پر مرتب کی گئی ھے ایک کتاب علم الحساب پر لکھی گئی ھے اور انکے علاوہ کئی کتابیں ادب پر ھیں»۔[3]

رام چندر کی جو تصانیف دستیاب ھوسکی ھیں یا جنکا حال معلوم ھوسکا ھے ان سے اندازہ ھوتا ھے کہ ان کی دلچسپیاں وسیع موضوعات پر حاوی تھیں۔

یہ صحیح ھے کہ انھوں نے تاریخ اور عام دلچسپی کے موضوعات پر بھی لکھا ھے تاھم اُن کا خاص موضوع سائینس اور ریاضیات ھیں ان علوم پر رام چندر کی تصانیف اردو کی اولین کتابوں میں سے ھیں۔ اس زمانے تک اردو میں علمی مسائل اور فنون پر بہت کم کتابیں لکھی گئی تھیں اور مصنفین کی ساری توجہ بقول محمد حسین آزاد «مضامین عاشقانہ اور گلگشت مستانہ» تک محدود تھی رام چندر اردو کے وہ پہلے

۱- Bridge & Cube ۲- Hutton & Buchorlot

۳ «قدیم دھلی کالج گارسان دتاسی کی نظر میں» از ھربنس لال۔ «قدیم دھلی کالج نمبر» ص (۱۱٦)

مصنف ھیں جنھوں نے گرد و پیش کے حالات کو سمجھتے ہوے ان کے تقاضوں کے مطابق ایسی کتابیں لکھیں جن میں شمع و پروانہ کی داستانوں، دیو اور پری کے قصوں یا انفرادی محرومیوں کے ماتم کے بجائے اجتماعی فلاح اور عوام کی تعلیم اور ترقی کے سامان موجود تھے - رام چندر کی ان علمی تصانیف نے اردو زبان اور ادب میں ایک نیا راستہ کھول دیا جس پر بعد میں نذیر احمد، ذکاالله اور سرسید نے قدم آگے بڑھائے اور اسطرح اردو میں علمی کتابیں تصنیف کرنے کا ذوق عام ہوا اور رامچندر کی رکھی ہوئی بنیاد پر اردو کے عناصر اربعہ نے ایک شاندار عمارت کھڑی کردی۔

ماسٹر رامچندر نے نہ صرف اپنی تصانیف اور ترجموں کے ذریعے سے ادب کی خدمت انجام دی بلکہ اپنے رسالوں کو بھی انھوں نے اس مقصد کا ذریعہ بنایا تھا تاکہ ھندوستان میں علم کی روشنی گھر گھر پہنچنے لگے اور ھندوستانی مغربی علوم و فنون سے واقفیت حاصل کرسکیں۔

محب ھند | رامچندر دو رسالے « فوائد الناظرین» اور « محب ھند » نکالا کرتے تھے - دوسرے رسالے کے نام سے رامچندر کی والہانہ حب الوطنی کا اظہار ہوتا ھے۔

لیکن یہ عجیب بات ھے کہ ان کے ھم وطنوں نے اس سلسلے میں ان کی کوئی مدد نہ کی جس وطن کی محبت میں رام چندر نے یہ رسالہ نکالا تھا، اس کے خیرخواھوں نے اس کی خاطرخواہ قدر نہ کی اور ان کے بجائے انگریزوں نے اس قومی رسالے سے خاص دلچسپی لی اور اس کی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوئے - اس کے متعلق عبدالحق لکھتے ھیں:-

«اس رسالہ کے علاوہ انہوں نے ایک اور رسالہ «محب ہند» کے نام سے شایع کیا لیکن اپنے شہر میں ملک والوں سے انہیں کچھ مدد نہ ملی البتہ انگریز افسروں نے امداد کی مثلاً سرجان لارنس جو اسوقت دھلی میں مجسٹریٹ تھے، ڈاکٹر راس (سول سرجن) مسٹر بگسن (جج دھلی) ان رسالوں کے متعدد نسخے خریدتے تھے جس سے طبع کا خرچ نکل آتا تھا۔ لیکن حالات کچھ ایسے بدلے کہ یہ رسالے بندکرنے پڑے اور پانچ سال چلانے کے بعد سنہ ۱۸۵۲ء میں ان دونوں کا خاتمہ ہوگیا»۔[۱]

یہ رسالہ رامچندر نے سنہ ۱۸۴۷ء میں جاری کیا تھا یہ ماہواری تھا اور مطبع العلوم، دھلی سے شایع ہوا کرتا اسکے مہتمم کریم بخش تھے «محب ہند» کا چندہ ایک روپیہ ماھانہ تھا اسکے علاوہ ڈاک کا محصول خریداروں سے وصول کیا جاتا تھا۔ سرورق پر انگریزی میں «محب ہند منتھلی» اور «اردو میگزین بائی رامچندر ٹیچر» لکھا ہوتا تھا اور اردو میں «محب ہند» ایک پودے کے پتوں کے بیچوں بیچ لکھا جاتا تھا۔[۲]

محب ہند کے سرورق پر اوپر لکھا ہوتا تھا «قیمت اس رسالے کی ایک روپیہ اور جاری ہوتا ھے ہر ماہ میں ایک مرتبہ اور محصول ڈاک ذمہ خریدار» اور سرورق کے آخر میں «رامچندر مدرس علوم انگریزی مدرسہ دھلی کے اہتمام سے مدرسہ دھلی میں چھپا» لکھا جاتا تھا۔

---

[۱] «مرحوم دھلی کالج» از عبدالحق ص (۱۵۹)

[۲] اس رسالے کے چند شمارے اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد آندھرا پردیش میں موجود ھیں۔

«محب ہند» کا سنہ اجراء امداد صابری نے سنہ ۱۸۴۷ء بتایا ھے اور مولوی عبدالحق کے بیان سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ھے -

اسٹیٹ لائبریری میں «محب ہند» کا یکم جنوری ۱۸۴۸ء کا شمارہ موجود ھے جس پر جلد پنجم لکھا ہوا ھے - اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ھیں کہ محب ہند یکم ستمبر ۱۸۴۷ءکو پہلی بار جاری کیا گیا تھا -

محب ہند کے جاری ہونیکا صحیح سنہ اور اسکے مضامین کی نوعیت کے متعلق ماسٹر رامچندر سے زیادہ کسی کا بیان قابل سند نہیں ہوسکتا «فوائد الناظرین» میں وہ اس پرچے کی بابت لکھتے ھیں :-

«سابق میں ہم نے جو لکھا تھا کہ ایک رسالہ مسمی خیرخواہ ہند[1] ہر ماہ میں ایک بار بہ زبان اردو اس عاصی کے اہتمام سے عنقریب اجراء ہوگا اب وہ عنایت ایزدی سے بتاریخ اول ستمبر سنہ ۱۸۴۷ء کو جاری ہوگیا - اور اہل دانش و بینش نے اس کی بڑی قدر کی انشاء اللہ اس میں مضامین مدام ایسے چھپیں گے جو کہ خلقت ہند کو مفید ہونگے» -[2]

نادم سیتا پوری کو بھی اس خیال سے کلی اتفاق ھے کہ «خیرخواہ ہند» سنہ ۱۸۴۷ء ہی میں جاری ہوا تھا -[3]

---

[1] «محب ہند» کا نام رامچندر نے پہلے «خیرخواہ ہند» تجویز کیا لیکن بعد میں اسکا نام بدلکر «محب ہند» رکھا تھا آگے اسکی تفصیل دیکھو ھے -

[2] «فوائد الناظرین» ستمبر سنہ ۱۸۴۷ء - ن ۱۸ - ج ۲ ص (۱۴۵)

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو «اردو کا پہلا ادبی ماہنامہ» «مشرب» تاریخ ادب اردو نمبر - مرتبہ ابو مسلم صحافی ص (۲۵۵)

اس رسالہ کی اہمیت یہ ھے کہ وہ ہندوستان میں اردو زبان کا پہلا رسالہ ھے۔ اگرچہ کہ راچندر کے سامنے اس وقت اردو رسالوں کا کوئی نمونہ موجود نہ تھا لیکن مضامین کی ترتیب، انکا انتخاب اور مختلف تصانیف اور موضوعات پر خود مصنف کے لکھے ہوئے تبصروں اور اشتہارات وغیرہ کو دیکھ کر حیرت ہوتی ھے کہ نقش اول ہونیکے باوجود یہ رسالہ کوئی نقص نہیں رکھتا۔ انکے رسالوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ھے کہ راچندر اعلی صلاحیت رکھنے والے ایک کامیاب صحافی تھے « محب ہند » کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اسکو اردو کا اولین رسالہ تسلیم کیا ھے اور لکھتے ھیں :۔

« خیرخواہ ھند پہلا رسالہ ھے جو اردو زبان میں پروفیسر راچندر نے نکالا تھا وہی اسکے مضامین کے لکھنے والے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ کوئی مضمون اپنے قلم سے نہیں لکھتے تھے مگر ان کے طلباء جو عربی کی اول جماعت کے تھے وہ کہتے جاتے تھے لکھتے جاتے تھے۔ اس رسالہ میں اکثر مضامین ان کے اسی طرح لکھوائے جاتے تھے »۔[1]

اس رسالہ کا نام راچندر نے پہلے « خیرخواہ ھند » رکھا تھا۔ لیکن بعد میں جب راچندر کو معلوم ہوا کہ اسی نام کا ایک رسالہ مرزا پور سے جاری ہوتا ھے تو انہوں نے اس رسالہ کا نام بدل کر « محب ھند » رکھدیا اس واقعہ سے راچندر کی رواداری اور شایستگی نفس کا پتہ چلتا ھے۔

---

[1] « اردو صحافت انیسویں صدی میں » مقالہ از ابواللیث صدیقی ص (۲ و ۳)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور گارسان دتاسی «محب ہند» یا «خیرخواہ ہند» پر تبصرہ کرتے ہوئے غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔ ان دونوں نے «محب ہند» اور «خیرخواہ ہند» کو دو مختلف رسالے سمجھ لیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ابواللیث نے اپنے مقالے «اردو صحافت انیسویں صدی میں» میں اس رسالے پر جو تبصرہ کیا ہے اس سے اس بات کا اندازہ ہوسکے گا:۔

«خیرخواہ ہند پہلا رسالہ ہے جو اردو زبان میں پروفیسر رامچندر نے نکالا تھا ...... پر یہی رامچندر اور ایک رسالہ «محب ہند» کے نام سے بھی نکالا کرتے تھے»۔[1]

اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہیکہ ابواللیث صدیقی «محب ہند» اور «خیرخواہ ہند» کو دو مختلف رسالے سمجھتے ہیں جو ایک ہی ایڈیٹر کی ادارت میں نکلا کرتے تھے۔ گارسان دتاسی کو بھی اسی مقام پر دھوکا ہوا ہے «مقالات» میں دتاسی کے بیان سے بھی اسکا ثبوت ملتا ہے۔ دتاسی کو «محب ہند» کے نام کے بارے میں بھی غالباً غلط اطلاع ملی تھی چنانچہ اسکا نام «محبوب ہند» بتاتے ہیں۔ ان کے بیان کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

«یہ پروفیسر یعنی رامچندر[2] داس دونوں رسالوں کے ایڈیٹر بھی ہیں ان میں سے ایک خاص طور پر قابل ذکر ہے جسکا نام «محبوب ہند» ہے یہ ایک ماہانہ پرچہ ہے جس میں اہم مسائل اور معاملات

---

[1] «اردو صحافت انیسویں صدی میں» مقالہ از ابواللیث صدیقی ص ۲ و ۳

[2] دتاسی نے رامچندر کا نام بھی اکثر جگہ غلط لکھا ہے۔

وقت پر ، اہل ہند کی تعلیمی حالت پر اور عام ادب پر ہندوستانی زبان کی ترقی پر مضامین لکھے جاتے ہیں» ۔[1]

دتاسی سے اس بیان میں دو تین طرح کے تسامح ہوئے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ رامچندر کا نام رامچندر داس لکھا ہے حالانکہ خطبات اور مقالات میں جہاں کہیں انہوں نے ان کی مختلف تصانیف پر تبصرہ کیا ہے وہاں پروفیسر رامچندر لکھا ہے۔ مثلاً « بھوت نہنگ » اور « اعتراض القران » کا ذکر کرتے ہوئے خطبات میں صفحہ (۱۲۱) اور (۱۸۷) پر انہوں نے صحیح نام لکھا ہے۔ دوسری غلطی انہوں نے رسالے کے نام کے سلسلے میں کی ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ « محب ہند » (محبوب ہند) اور « خیرخواہ ہند » ایک ہی رسالے کے دو نام بتائے ہیں۔ اس مسئلے کا حل ہمیں « فوایدالناظرین » میں مل جاتا ہے جس میں رامچندر نے بتایا ہے کہ « خیرخواہ ہند » کا نام انہوں نے بعد میں بدل کر « محب ہند » رکھدیا تھا۔ اور یہ کہ یہ دونوں نام ایک ہی رسالے کے مختلف زمانوں کے نام ہیں، جیساکہ ان کے حسب ذیل بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے « فوائدالناظرین » میں اس رسالے کے نام کی تبدیلی کا جو اعلان کیا تھا اسکا اقتباس حسب ذیل ہے :۔

(سرخی) تبدیلی نام رسالہ خیر خواہ ہندکی :۔

« چونکہ ہم کو اس امر سے بالکل اطلاع نہ تھی کہ کوئی اخبار « خیرخواہ ہند » ہندوستان میں اجرا ہوتا ہے تو اس واسطے ہم نے اپنے رسالے کا نام « خیرخواہ ہند » رکھا تھا۔ اب ہم کو معلوم ہوا

---

[1] « مقالات گارسان دتاسی » ص (۲۲۸)

ھے کہ ایک اخبار مسمی بہ «خیرخواہ ھند» مرزا پور میں جاری ہوتا ھے تو ہم کو مناسب نہیں ھے کہ ہم اپنے رسالے کا نام بھی «خیرخواہ ھند» رکھیں - اس واسطے ہم نے اس رسالے کا نام تبدیل کیا اور بجائے «خیرخواہ ھند» کے «محب ھند» رکھا واسطے اطلاع کے اسکے خریداروں کی خدمت میں گذارش کی فقط» -[1]

یہ رسالہ باقاعدگی کے ساتھ ہر مہینہ نکلا کرتا تھا اور عموماً اسکے اجرا میں کبھی تاخیر نہیں ہوتی تھی - ایک دو دفعہ اسکی اشاعت میں تاخیر ہوگئی تھی - سنہ ۱۸٤۷ء میں رامچندر دفعتاً بیمار ہوگئے تھے اسی طرح ایک اور دفعہ «محب ھند» دیر سے نکلا تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ رامچندر سواری کرتے ہوئے گھوڑے پر سے گر پڑے تھے اور کئی دن تک علیل رہے تھے - اسکے سوا «محب ھند» ہمیشہ وقت پر شایع ہوا کرتا تھا - اسکے مضامین کے متعلق سجن لال نے لکھا ھے :-

«محب ھند کے بہت سے مضامین بلاشبہ انگریزی سے ترجمہ کئے ہوئے ہوتے تھے یا فارسی کی تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں سے ماخوذ ہوا کرتے تھے جسکا اعتراف اس رسالے کے ایڈیٹر کھلے الفاظ میں ہمیشہ کیا کرتے تھے یہ رسالہ معلومات مفیدہ سے پر ہوتا تھا» -[2]

سنہ ۱۸۵۲ء تک «محب ھند» کی خدمات جاری رہیں - «فوائد الناظرین» میں سنہ ۱۸۵۱ء کے «محب ھند» کے بے شمار حوالے اور آیندہ شماروں پر تبصرہ ملتا ھے - لیکن اس سنہ کے بعد سے «محب ھند» کا

---

[1] «فوائد الناظرین» اکتوبر سنہ ۱۸٤۷ء ج ۲ - ن ۲۰ - ص (۱۰۷)

[2] «پروفیسر رامچندر بحیثیت ایک صحافی کے» - «اسلامک کلچر» ۱۹٤۹ء - ص (۲۳)

کوئی حوالہ نظر نہیں آتا۔ جس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ غالباً یہ رسالہ بند کردیا گیا تھا اس قیاس کی تصدیق مولوی عبدالحق کے بیان سے بھی ہوسکتی ہے۔ انہوں نے «مرحوم دہلی کالج» میں اس رسالے کا مختصر ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ «پانچ سال چلانے کے بعد سنہ ۱۸۵۲ء میں ان دونوں («فوائد الناظرین» اور «محب ہند») کا خاتمہ ہوگیا»۔[1]

«محب ہند» میں تاریخی اور اخلاقی مضامین کے علاوہ سائنسی اور تحقیقاتی مضامین بھی شامل ہوتے تھے۔ اسکے علاوہ بعض شماروں کے آخر میں مشہور شعراء کے اشعار بھی درج کئے جاتے تھے۔ یکم مارچ سنہ ۱۸٤۸ء کے «محب ہند» میں مومن کے اشعار اور اس سے پہلے کے شمارے میں قارئین کی دلچسپی کیلئے جرات کی تین غزلیں درج کی گئی ہیں۔

اردو دان طبقہ اس رسالے کی بہت قدر کیا کرتا تھا اور اگر اسکے اجراء میں تاخیر ہوتی تو لوگ رامچندر سے «محب ہند» کو جلدی شایع کرنیکی خواہش کیا کرتے تھے جیسا کہ اکتوبر ۱۸٤۸ء کے شمارے میں انکے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

رامچندر کو اپنے اس رسالے پر بہت ناز تھا اور وہ کہا کرتے تھے کہ دوسرے رسالوں کی طرح «محب ہند» کوئی معمولی رسالہ نہیں ہے جسے ایک مرتبہ پڑھ کر لوگ پھینک دیتے ہیں۔ بلکہ وہ ایک مثل نایاب کتاب کے ہے جس کو لوگ ہمیشہ پڑھا کریں گے۔[2]

فوائد الناظرین | رامچندر «محب ہند» کے علاوہ ایک اور رسالہ بھی نکالتے تھے اور اسکا نام انہوں نے «فوائد الناظرین» تجویز کیا تھا۔ یہ «سائنسی

---

[1] مرحوم دہلی کالج ص (۱٦۱)

[2] «فوائد الناظرین» ۔ ن ۱۹ ۔ ج ۳ ۔ ص (۱٦۱)

اور تاریخی رسالہ» دو شنبہ کے دن دھلی سے شایع ہوتا تھا اسکا ماھانہ چندہ چار آنے تھا لیکن اجراء کے پہلے سال انہوں نے صرف دو آنے اسکی قیمت مقرر کی تھی اس وقت اس میں چار صفحے ہوتے تھے بعد میں آٹھ صفحے کردئے گئے تھے - کبھی کبھی صفحات کی مقررہ تعداد میں اضافہ بھی کردیا جاتا تھا - بعض اہم مضامین جو طویل ہوتے تھے اور جنہیں رامچندر بالاقساط شایع کرنا نہیں چاہتے تھے پورے کے پورے ایک ہی شمارے میں چھاپ دیتے تھے - مثال کے طور پر جب جولائی سنہ ۱۸٤۷ء کے «فوائد الناظرین» میں لارڈ مکالے کا طویل مضمون «تجویز مسٹر مکالے صاحب کی درباب تربیت کرنے رعایا کی کچہری پارلیمنٹ میں» شایع ہوا تھا تو مقررہ تعداد سے زیادہ صفحات ہوگئے تھے - یہ رسالہ بھی پروفیسر رامچندر کے زیر اہتمام مطبع العلوم ، دھلی میں چھپتا تھا - ابتدائی کچھ پرچے پنڈت موتی لال منیجر کی نگرانی میں شایع ہوئے تھے - بعد کے پرچوں پر شاہ عالم ثانی ، مہاراجہ پرتاب سنگھ ، میر دوست علی خاں ، شیر شاہ اور حیدر علی وغیرہ کی تصاویر ھیں ھر پرچے میں مشہور عمارتوں اور سائنس دانوں یا علماء کی تصویریں ضرور ہوتی تھیں جن پر رامچندر تین چار صفحات کا مضمون لکھتے تھے - نومبر سنہ ۱۸۵۱ء سے سید اشرف علی واسطی رامچندر کے ساتھ ملکر اشاعت کا کام کرنے لگے تھے «فوائد الناظرین» بالکل علمی اور بقول سجن لال «سائنسی» پرچہ تھا - چنانچہ سنہ ۱۸٤۷ء میں بعض قارئین نے شکایت کی اس میں خبریں کم ہوتی ھیں پروفیسر رامچندر ۲۵ - فبروری سنہ ۱۸٤۷ء کے پرچے میں اسکے متعلق لکھتے ھیں :-

«ہم نے اقرار کیا تھا کہ جب پرچہ دوگنا ہو جائیگا اس وقت سے آخر کے صفحے میں اخبار تازہ درج کیا کرینگے سو ہم اس اقرار

کو پورا کرتے ہیں یقین ہے کہ جو صاحب اس پرچے کو لیتے ہیں انہیں اس کم قیمت پرچے کے اخبار سے بھی اطلاع رہیگی بالفعل ایسا پرچہ کوئی ہندوستان میں نہیں چھپتا کہ باوجود اتنے مضامین علمی اور اخبار پسندیدہ کے اتنی کم قیمت کو آتا ہے اب یہ پرچہ کامل ہو گیا ہے کہ اس میں خبریں بھی درج ہونے لگیں جو صاحب صرف اخبار کے شایق ہیں ان کیلئے بھی مفید ہوگا»۔[1]

«ہندوستانی اخبار نویسی» کے مصنف محمد عتیق صدیقی نے «فوائد الناظرین» کے متعلق لکھا ہے «یہ پندرہ روزہ اخبار تھا جس کا ۱۸۴۵ء میں اجراء ہوا»[2] آگے چل کر «فوائد الناظرین» کے ایک نمبر کا تجزیہ» کے زیر عنوان لکھتے ہیں :۔

«اس وقت ہمارے سامنے فوائد الناظرین کی تیسری جلد ۲۳ وان نمبر ہے جو محررہ سیز دہم ماہ نومبر سنہ ۱۸۴۸ء کا ہے ....»[3]

محمد عتیق کے یہ دونوں بیانات ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں۔ پہلے بیان میں تو انہوں نے «فوائد الناظرین» کا سنہ اجرا ۱۸۴۵ء بتایا ہے پھر دوسرے بیان میں یہ کہتے ہیں کہ تیسری جلد ماہ نومبر سنہ ۱۸۴۸ء کی ہے۔ اگر «فوائد الناظرین» ۱۸۴۵ میں جاری ہوتا تو تیسری جلد پر ۱۸۴۸ کے بجائے ۱۸۴۷ ہوتا تھا یہاں محمد عتیق کو تھوڑی سی غلط فہمی ہوئی ہے۔

---

[1] «فوائد الناظرین» جنوری ۱۸۴۷ء۔ ن ۱۔ ج ۲۔ ص (۵)

[2] ہندوستانی اخبار نویسی۔ ص (۳۳۱)

[3] " " " (۳۳۳)

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے اس رسالہ کا سنہ اجراء ۱۸۴۶ء بتایا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

« اردو کا تیسرا اخبار « فوائد الناظرین » ہے یہ اخبار ریاضی کے مشہور عالم اور محقق و موجد ماسٹر رامچندر نے سنہ ۱۸۴۶ء میں دھلی سے نکالا تھا »۔[1]

دتاسی نے « فوائد الناظرین » کے سنہ اجراء سے لاعلمی ظاھر کی ہے صرف اتنا لکھدیا ہے کہ :-

« یہ ماھانہ رسالہ ہے جسکا نام « فوائد الناظرین » ہے اس میں علاوہ خبروں کے مضامین بھی چھپتے ہیں جو انگریزی ذرائع سے ماخوذ ہوتے ہیں »[2]

لیکن مولوی عبدالرزاق راشد نے پنڈت کیفی کے بیان کی تردید کی ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ « فوائد الناظرین » سنہ ۱۹۴۶ء میں جاری نہیں ہوا تھا بلکہ سنہ ۱۸۴۲ء ہی سے رامچندر یہ « اخبار » نکالنے لگے تھے - عبدالحق نے « محب ھند » اور « فوائد الناظرین » کے خاتمے کی جو تاریخ لکھی ہے اور اس پر جو تبصرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے خیال میں یہ رسالہ سنہ ۱۸۴۷ء میں جاری ہوا تھا جیساکہ انکے بیان سے ظاھر ہے :-

« ماسٹر صاحب کو یہ رسالے (« فوائد الناظرین » اور « محب ھند ») بند

---

[1] « اردو اخبار » رسالہ « اردو » اپریل سنہ ۱۸۲۵ء - ص (۲۹۲)

[2] « خطبات گارسان دتاسی » - ص (۲۳)

کرنے پڑے پانچ سال چلانے کے بعد سنہ ۱۸۵۲ء میں ان دونوں کا خاتمہ ہوگیا»۔[1]

لیکن «فوائد الناظرین» کے مختلف شماروں کو سامنے رکھہ کر مولوی عبدالحق، محمد عتیق اور عبدالرزاق راشد کے بیانات کی جانچ پڑتال کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ «فوائد الناظرین» کے سنہ اجراء کا تعین کرنے میں ان حضرات سے کچھہ سہو ہوئی ہے - جنوری سنہ ۱۸۴۷ء کے «فوائد الناظرین» کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رامچندر نے اسکے پہلے ورق پر «نمبر اول» اور «جلد دوم» لکھا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۴۷ء سے پہلے بھی «فوائد الناظرین» کی ایک جلد نکل چکی تھی اور اس طرح ہم صحیح نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ «فوائد الناظرین» پنڈت کیفی اور امداد صابری کے خیال کے مطابق سنہ ۱۸۴۶ء ہی سے جاری ہوچکا تھا -

اسی طرح «فوائد الناظرین» کے بند ہونیکی تاریخ میں بھی اختلافات نظر آتے ہیں- نادم سیتاپوری کا خیال ہے کہ «فوائد الناظرین» صرف سنہ ۱۸۴۸ء یا سنہ ۱۸۴۹ء تک جاری رہا اور اسکے بعد بند ہوگیا - چنانچہ وہ اپنے ایک آرٹیکل «اردو کا پہلا ادبی ماہنامہ» میں لکھتے ہیں :-

«ماسٹر رامچندر کی صحافتی سرگرمیوں کا آغاز ایک پندرہ روزہ اخبار سے ہوا جو سنہ ۱۸۴۶ء میں «فوائد الناظرین» کے نام سے انہوں نے جاری کیا تھا یہ اخبار سنہ ۱۸۴۸ء یا سنہ ۱۸۴۹ء تک جاری رہا»۔[2]

---

[1] «مرحوم دھلی کالج» از مولوی عبدالحق - ص (۱۵۷)

[2] تاریخ اردو نمبر «مشرب» جولائی سنہ ۱۹۵۶ء - ص (۲۵۶)

لیکن نادم سیتا پوری کا یہ خیال صحیح نہیں۔ راقم السطور کی نظر سے « فوائد الناظرین » سنہ ۱۸۵۲ء تک کے پرچے گزرے ہیں یہ پرچے اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہیں۔ پروفیسر گارسان دتاسی اور مولوی عبدالحق کے بیانات کے مطابق یہ اخبار سنہ ۱۸۵۲ء میں بند ہوا لیکن سجن لال کا خیال ہے کہ یہ اخبار سنہ ۱۸۵۵ء تک جاری رہا تھا۔ وہ لکھتے ہیں :-

« یہ پرچہ سنہ ۱۸۵۵ء تک جاری رہا پروفیسر گارسان دتاسی اور مولوی عبدالحق دونوں نے لکھا ہے کہ یہ پرچہ سنہ ۱۸۵۲ء میں بند ہوگیا لیکی یہ صریحاً غلط ہے »۔[1]

« فوائد الناظرین » میں تاریخی ، سماجی ، تحقیقاتی اور اصلاحی مضامین ہوا کرتے تھے اور ان کے ذریعے سے ماسٹر رامچندر اپنے ہم وطنوں کی جہالت اور علمی بے ثباتی دور کرنا چاہتے تھے۔ اسی مقصد کے پیش نظر انہوں نے « فوائد الناظرین» میں « مختلف امور مفیدہ » کا ایک مستقل عنوان قایم کردیا تھا۔ اس میں بعض دفعہ وہ ناظرین سے علمی سوالات کا جواب دریافت کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ۱۸٤۷ء کے ایک شمارے میں انہوں نے ناظرین سے سوال کیا تھا « کیا ہے باعث اس بات کا کہ بنسبت چاند گرہن کے سورج گرہن کم واقع ہوتے ہیں » کبھی ناظرین کے دریافت کئے ہوئے سوالات کا جواب خود رامچندر دیا کرتے تھے۔ تاریخ سے شغف رکھنے والے کسی صاحب نے اُن سے یہ سوال کیا تھا « جب کہ پہلے سنہ ۱۷۹۰ء میں ایک بڑی گڑ بڑ ملک فرانس میں ہوئی تھی اور بادشاہ

---

[1] رامچندر بحیثیت ایک صحافی کے « قدیم دھلی کالج نمبر » ص (٤٢)

[2] « فوائد الناظرین » ڈسمبر سنہ ۱۸٤۸ء ۔ ج ۳ ۔ ن ۸ ۔ ص (۱۷۸)

اس ملک کا تخت پر سے اتارا گیا تھا اور اس پر بڑی بڑی مصیبتیں ہوئی تھیں اور اس سے تمام ملک تہہ و بالا ہو گیا تھا اسکا کیا باعث تھا»۔[1] یا ایک اور شخص نے ایڈیٹر سے سوال کیا تھا « میں یہ دریافت کیا چاھتا ہوں کہ اس سطح زمین پر کتنا پانی ھے اور کتنی زمین۔ اسکے اہل فرنگ نے کیونکر حصہ کئے ھیں»[2]۔ یا «بندہ یہ دریافت کیا چاہتا ھے کہ بڑے بڑے مینار جن کو یونانی میں پریمڈ کہتے ھیں اور یہ ملک مصر میں واقع ھیں کس کے بنوائے ہوئے ھیں اور کس مطلب کے واسطے بنے ھیں»[3]۔ ماسٹر رامچندر کو اسکا شدید احساس تھا کہ جب تک ھندوستانی یورپ کے جدید علوم و فنون سے واقفیت حاصل نہ کریں گے اُن کی معلومات محدود اور انکا کاشانہ علم بے چراغ رہیگا۔ اس مقصد کے حصول کیلئے کبھی کبھی انہوں نے ترجموں کا بھی سہارا لیا اور انگریزی ادیبوں کے مضامین اخذ کرنے کے علاوہ کہیں کہیں انسائیکلو پیڈیا سے بھی بعض اہم اور مفید معلومات کا ترجمہ شایع کیا۔[4]

رامچندر نے اپنے معلوماتی اور علمی مضامین کی وضاحت کیلئے اکثر نقشوں اور تصاویر سے بھی مدد لی ھے «فوائد الناظرین» کے اکثر و بیشتر شماروں کے سرورق پر مختلف نقشے اور تصویرین ملتی ھیں جنکا مقصد معلومات بہم پہنچانے کے علاوہ غالباً شمارے کو جاذب نظر اور دلکش بنانا بھی تھا۔ چہل ستون (الہ آباد) بلیک ہول آف کلکتہ، تماشہ گاہ روم، محل بادشاہی (غرناطہ) اور کھنڈرات تخت جمشید کی تصاویر اس سلسلے میں قابل ذکر ھیں۔

---

[1] «فوائد الناظرین» ڈسمبر ۱۸۴۸ء۔ ج ۳۔ ن ۸۔ ص (۱۷۸)

[2]،[3] «فوائد الناظرین» آگسٹ ۱۸۴۸ء۔ ن ۲۳۔ ج ۳۔ ص (۱۷۲)

[4] مثال کیلئے ملاحظہ ہو «فوائد الناظرین» آگسٹ ۱۸۵۷ء ج ۲۔ ن ۱۴ ص ۱۲۱

«فوائد الناظرین» کی ایک اور خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ اس میں اپنے زمانے کی مشہور کتابوں کے اشتہاروں کے علاوہ غزلیں اور اشعار بھی شایع ہوا کرتے تھے۔ ماسٹر رامچندر خود شاعر تھے[1] اور «فوائد الناظرین» میں اشعار سے ان کی دلچسپی کا اظہار کوئی غیر فطری بات نہیں معلوم ہوتی انہوں نے اپنے رسالے کیلئے جن غزلوں کا انتخاب کیا ھے ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ھے کہ انکا معیار نقد بلند تھا انہوں نے صرف «استادان ہند» کے اشعار ہی کو «فوائد الناظرین» میں جگہ دی ھے «رائے مہتمم» کے زیر عنوان ۸۔ مارچ سنہ ۱۸۴۷ء کے شمارے میں لکھتے ھیں :—

«میں یہ چاہتا ہوں کہ گاہے گاہے غزل اور اشعار استادان ہند کی تصنیفات سے اپنے پرچے میں درج کیا کروں اور شایقین پرچہ کو ان سے محظوظ و دل خوش کیا کروں چنانچہ ایک غزل جناب مولوی امام بخش صاحب صہبائی تخلص کہ فن شاعری میں نہایت کمال رکھتے ھیں درج پرچہ ہذا کرتا ہوں»۔ اس غزل کا مطلع ھے—

چہ از دست دل ناکام ما رفت — کہ دل از سینہ و آرام ما رفت

اسی معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے رامچندر نے بہادر شاہ ظفر کی بعض غزلوں اور شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد انصرام الدولہ فخرالدین حسین خاں بہادر «داروغہ توشک خانہ حضور والا» کے کلام کا انتخاب کیا ھے۔

«فوائد الناظرین» میں ماسٹر رامچندر نہ صرف اپنے مضامین شایع کیا کرتے تھے بلکہ دوسرے اخبارات سے بھی مفید اور دلچسپ مضامین نقل کرنے میں انہوں نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ ۱۸۴۷ء سے لیکر ۱۸۵۱ء تک کے شماروں میں کم و بیش سترہ مضامین ایسے ھیں جو دوسرے اخبارات سے نقل کر کے شایع کئے گئے ھیں ان کی تفصیل حسب ذیل ھے :—

---

[1] ملاحظہ ہو «تذکرہ آثار الشعراے ہنود» منشی دیبی پرشاد بشاش۔ ص ۱۴

مضمون کا عنوان	اخبار کا نام جس سے کہ مضمون نقل کیا گیا ھے	فوائد الناظرین تاریخ	جلد	نمبر شمارہ	صفحہ
۱ ـ شہابیہ کے بیان میں	صدر الاخبار	نومبر ۱۸٤۷ء	۲	۲۳	۱۸٤
۲ ـ بیان بعض امور کا جن سے خطا خفیف تصور کیجاتی ھے	عمدۃ الاخبار	نومبر ۱۸٤۷ء	۲	۲۳	۱۸۵
۳ ـ الماس	مفید الاخبار	مئی ۱۸٤۸ء	۳	۱۰	۷۷
٤ ـ احوال حکیم اسقلنیوس	زبدۃ الاخبار	مئی ۱۸٤۸ء	۳	۱۰	۷۹
۵ ـ کمی باران رحمت کی ھندوستان میں	دھلی گزٹ	جون ۱۸٤۸ء	۳	۱۲	۹۱
٦ ـ سونا	مفید ھند	جون ۱۸٤۸ء	۳	۱۲	۹٤
۷ ـ موت	قران السعدین	جون ۱۸٤۸ء	۳	۱۲	۹٤
۸ ـ بحث علمی کا فائدہ	صدرالاخبار	جون ۱۸٤۸ء	۳	۱۳	۹۷

۹ - حساب جاننے کا فائدہ	صدرالاخبار	جون ۱۸۴۸ء	۳	۱۳	۱۰۰
۱۰ - حال تبدیل فصل کا	قران السعدین	جون ۱۸۴۸ء	۳	۱۳	۱۰۱
۱۱ - بحث علمی فائدہ	اخبار الحقایق	جولائی ۱۸۴۸ء	۳	۱۴	۱۰۹
۱۲ - حقایق جدید علمیہ	,, ,,	جولائی ۱۸۴۸ء	۳	۱۵	۱۱۷
۱۳ - حال سرولیم ہرشل کا	عمدۃ الاخبار	آگسٹ ۱۸۴۸ء	۳	۱۶	۱۶۷
۱۴ - تعلیم الخلایق	اخبار الحقایق	آگسٹ ۱۸۴۸ء	۳	۱۷	۱۷۳
۱۵ - سرکشی پنجاب	,, ,,	اکتوبر ۱۸۴۸ء	۳	۲۰	۱۹۸
۱۶ - باغ امید	قران السعدین	ڈسمبر ۱۸۵۰ء	۵	۲۴	۱۸۵
۱۷ - مضمون	,, ,,	مارچ ۱۸۵۱ء	۶	۵	۳۴

لیکن « فوائد الناظرین » کے مطالعے سے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ یہ مضامین کس کے لکھے ہوئے ہیں۔ رامچندر نے ان مضمون نگاروں کا کوئی تعارف بھی نہیں کرایا ہے صرف ایک مضمون « تجارت کے فائدے کے بیان میں » کو نقل کرتے ہوئے اتنا لکھدیا ہے۔ « شمس الدین طالب علم، جماعت اول مدرسہ دہلی کے ہیں »۔ لیکن یہ مضمون کسی اور اخبار سے نقل نہیں کیا گیا ہے۔

« فوائد الناظرین » کے بعض انگریز خریدار بھی تھے ہملٹن صاحب بہادر رزیڈنٹ اندور اور جے ڈی کن انگھیم ایجنٹ بھوپال اور مسٹر ڈکنس مہتمم مدرسہ اجمیر اسکے خریداروں اور شایقین میں سے تھے[1]

« فوائد الناظرین » کے جاری کرنیکا مقصد جیساکہ کہا جاچکا ہے ہندوستانی عوام کی معلومات میں اضافہ کرنا، انہیں مختلف جدید علوم اور مغربی ادب سے روشناس کرانا تھا۔ رامچندر کی یہ خواہش تھی کہ اردو زبان اور ادب میں مغربی ادبیات کی جاندار اور توانا روایات کو منتقل کیا جائے تاکہ ہندوستانیوں کی علمی اور معاشرتی اصلاح اور رفاہ میں مدد ملے لیکن ان کے ہم وطنوں نے رامچندر کی خدمات کی قدر نہ کی اور بقول مولوی عبدالحق انہیں ان کے نئے خیالات اور ترقی پسند رجحانات کے باعث بد مذہب اور ملحد سمجھنے لگے خود رامچندر کو اپنے ملک والون کی اس بے اعتنائی اور ناقدر شناسی کا شدید احساس تھا۔ چنانچہ ایک جگہ بڑے پر سوز انداز میں طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

« کیا خدا کی قدرت ہے کہ اتنا تو ہم اپنے اوپر نقصان اٹھا کر رفاہ عام میں کوشش کرتے ہیں لیکن پھر بھی بعضے لوگ پرچہ

---

[1] « فوائد الناظرین » مئی ١٨٤٧ء ۔ ج ٢ ۔ ن ١٠ ۔ ص (٦٨)

« فوائد الناظرین » پر طنز کرتے ھیں اور ایک صاحب اخبار مسمی « بسین » کہ بڑے عقل مند معلوم ہوتے ھیں ۰۰۰۰۰ اخبار « بسین » میں مذکور فرماتے ھیں کہ اب کی دفعہ جو دو ورقہ پرچے میں واسطے مضمون تجویز مسٹر مکالے کے زیادہ کیا گیا مضمون واھیات تھا واہ کیا عقل ھے وہ ہی مثل ھے کہ گدھے کو نمک دیا جائے اس نے جانا کہ میری آنکھیں پھوڑیں » ۔[1]

ماسٹر رامچندر اور صحافت

ماسٹر رامچندر ایک ایماندار اور فرض شناس صحافی تھے ۔ ان کے دل میں اپنے ہمعصر ایڈیٹروں اور صحافیوں کی بڑی عزت اور محبت تھی ۔ رامچندر نے خواہ مخواہ انھیں بیجا دکھانے یا ان پر بیجا تنقید کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی ھے بلکہ ان کیلئے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا ھے ۔ ماسٹر رامچند کی صحافت میں ہرجگہ فراخ دلی اور وسعت نظر کا ثبوت ملتا ھے ۔ ایک مرتبہ کسی صاحب نے مہتمم « صدرالاخبار» کو رامچندر کیے خط میں برا بھلا لکھا تھا اور ان سے اس خط کو شایع کرنیکی خواہش کی تھی جس پر رامچندر نے اپنے رسالے میں اس شخص کو تنبیہ کی تھی اور لکھا تھا : —

« ہم پاس ایک خط مقام اٹاوہ سے آیا ۔ اس میں بہت واہیات باتیں لکھیں تھیں ۔ اس میں جناب مہتمم صدرالاخبار آگرہ کو نہایت سخت و سست اور برا بھلا لکھا ھے اس واسطے ہم نے اسکو بے فایدہ اور لغو جان کر اپنے پرچے میں درج نہ کیا اور کاتب خط کو اور سب کو اطلاع دیتے ھیں کہ ہم پاس بامید طبع ایسے ایسے واہیات خط ارسال نہ فرمایا کریں »[2]

---

[1] « فوائد الناظرین » سنہ ۱۸٤۸ء ۔ ج ۲ ۔ ن ١٤ ۔ ص (۱۷)

[2] « فوائد الناظرین » مئی ۱۸٤۷ء ۔ ن ۸ ۔ ج ۲ ۔ ص (٦٣)

مندرجہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہیکہ ماسٹر رامچندر کے دل میں اپنے ہمعصر صحافیوں کا کتنا پیار اور احترام تھا۔ انہوں نے دوسرے اخبار کے ایڈیٹروں کو ہمیشہ اچھے الفاظ میں یاد کیا ہے اور ان کی چھوٹی چھوٹی خدمات کی بھی دل کھولکر داد دی ہے، ان کی کوششوں کو بڑے حوصلہ افزا انداز میں سراہا ہے۔ «فوائد الناظرین» کے ایک شمارے میں «درباب رفاہ خلقت ہندوستان کے» کے زیر عنوان «صدر الاخبار» «زبدۃ الاخبار»، «سید الاخبار» اور «مطلع الاخبار» کے ایڈیٹروں کی وطن پرستی اور اپنے ہم وطنوں سے ہمدردی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: —

«بہت شکر کا مقام ہیکہ اب بہت سے صاحب رفاہ خلق کے درپے ہیں چنانچہ جناب مہتمم صدر الاخبار بھی باوجود اتنی کم قیمت ہونیکے اپنا اخبار ایک مہینے میں بارہ دفعہ چھپاتے ہیں اور اس میں مضمون مفیدہ اور فایدہ مند درج کرتے ہیں اور جناب مہتمم زبدۃ الاخبار نے بھی اپنے پرچے کو دو چند کیا اور اقرار کیا ہیکہ ہم بھی بعض اوقات مسائل علمی لکھا کرینگے اللہ تعالی ان کی کوششوں کو تاج فتح کا پہناوے اور جناب مہتمم سیدالاخبار نے بھی اپنے اخبار میں ایک تختہ زیادہ کردیا ہے ان کی ذات عالی صفات سے بھی یہ توقع ہیکہ وہ بھی مضمون علمی یا نصیحت آگین جو مفید خلق ہندوستان کو ہوں اپنے پرچۂ فیض رتبہ میں درج کریں تو بہت مناسب ہوگا واضح ہو کہ ایک اور اخبار جسکا نام مطالع الاخبار رکھا گیا ہے شہر اکبر آباد میں ہر ہفتے میں یعنی ہر مہینے میں چار بار جاری ہوا کرے گا فی‌الحقیقت وہ بھی اخبار بہت عمدہ ہوگا»[1]

---

[1] «فوائد الناظرین» فبروری ۱۸۴۷ء - ج ۲ - ن ۲ - ص (۱۵)

«فوائد الناظرین» میں نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ایشیاء اور یورپ کے اکثر بڑے شہروں کی اہم خبریں شایع ہوا کرتی تھیں ایسا محسوس ہوتا ھے جیسے راجندر خبروں کی اشاعت میں بہت احتیاط اور ضبط و توازن سے کام لیتے تھے - وہ معمولی اور غیر اہم خبروں کو سنسنی خیز انداز میں شایع کرنیکے قائل نہیں معلوم ہوتے اور نہ انھوں نے چھوٹی باتوں کیلئے حکومت پر سخت تنقید کو روا رکھا ھے - رامچندر نے خبریں نہایت سلجھے ہوئے طرز میں بلا کم و کاست اور بغیر مبالغہ آرائی کے شایع کی ھیں - پیشہ ور صحیفہ نگاروں کی طرح انہوں نے بیجا نکتہ چینی سے کام نہیں لیا ھے لیکن جب کبھی رامچندر یہ محسوس کرتے ھیں کہ رعایا کے حقوق پائمال ہو رہے ھیں تو وہ حکومت کی توجہ اس طرف منعطف کرنے میں نہیں چوکتے ھیں اور مظلوموں کی وکالت اور حمایت کرتے ھیں - اور اس سلسلے میں کہیں کہیں تلخ اور طنز آمیز لہجہ بھی اختیار کر لیتے ھیں « حال ضبطی اراضی معافیداران قصبہ امروہہ » کی آخری سطریں اسکا بہترین ثبوت ھیں جن میں انکی انسان دوستی اور ان کا جذبہ وطن پرستی اپنے پورے شباب پر نظر آتا ھے - لکھتے ھیں » حیف ھے کہ سرکار دولت مند باوجود ایسی سلطنت اور رعایا پروری کے کہ مشرق سے مغرب تک شہرہ آفاق ھے ایسے غریبوں کے تئیں کہ مانند مور و مگس کے ھیں روٹی سے محتاج اور خوار کرے - بیت

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید[1]

«فوائد الناظرین» میں بعض بڑی دلچسپ خبریں بھی نظر آتی ھیں - بعض خبروں کی اہمیت ادبی ھے مثال کے طور پر غالب کے قمار بازی کی علت

---

[1] «حال ضبطی اراضی معافیداران قصبہ امروہہ» «فوائد الناظرین» اپریل ۱۸۴۷ء - ج ۲ - ن ۷ - ص (۵۵)

میں گرفتار ہونے کی خبر ماسٹر رامچندر نے اس طرح شایع کی ہے

خبر دہلی

«۲۵ ماہ مئی کو بیچ مکان جناب مرزا نوشہ اسد اللہ خاں صاحب کے قمار بازی ہو رہی تھی چنانچہ کوتوال صاحب یہ خبر پاکر وہاں گئے اور مرزا صاحب کو معہ اور قمار بازوں کے گرفتار کرکر کوتوالی میں لے آئے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ صاحب مجسٹریٹ ان کے حق میں کیا حکم دیتے ہیں۔ فقط»۔[1]

ماسٹر رامچندر نے خبروں کی اشاعت میں بعض دوسرے اخبارات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ امداد صابری کی کتاب «تاریخ صحافت اردو» کے مطالعے سے (بعض اخباروں کے متعلق جن سے رامچندر نے خبریں اخذ کی ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانے کے معیاری اور پسندیدہ اخبارات تھے۔ «فوائد الناظرین» کے جو شمارے دستیاب ہوسکے ہیں اُن میں مندرجہ ذیل اکیس اخباروں سے استفادہ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) صدر الاخبار (۲) زبدۃ الاخبار (۳) سید الاخبار (۵) مطلع الاخبار (۵) قران السعدین (٦) ٹیلی گراف (۷) سلطان الاخبار (۸) دہلی گزٹ (۹) فرنڈ آف انڈیا (۱۰) ہرکارہ اخبار (۱۱) اخبار انگلشمن (۱۲) ٹائمس آف لڈن (۱۳) اخبار کریسنٹ (۱۵) ریکارڈ (۱۵) چندریکا (۱٦) پرو بھاکر (۱۷) اخبار آگرہ (۱۸) عمدۃ الاخبار (۱۹) عجائب الاخبار (۲۰) فوائد الشایقین اور (۲۱) بمبئی اسپکٹیٹر۔

اردو کا پہلا مضمون نگار

ابھی تک چونکہ ماسٹر رامچندر کی تحریریں اور انکے مضامین منظر عام پر نہیں آئے تھے اس لئے بہت سے

[1] «فوائد الناظرین» مئی ۱۸۵۷ء۔ ن ۱۰ ج ۲۔ ص (۸۰)

ادیبوں اور نقادوں نے سرسید کو اردو کا پہلا مضمون نگار سمجھا ہے۔ «تاریخ داستان اردو» کے مصنف سرسید کو «فن مقالہ نگاری» کا موجد بتاتے ہوئے لکھتے ہیں :-

«سرسید کی بعض تصانیف مثلاً خطبات احمدیہ اور اکثر مضامین تہذیب الاخلاق ایسے موضوعوں پر اور اس قدر خوش اسلوبی کے ساتھ لکھے گئے ہیں کہ ان سے پہلے اردو کیا عربی اور فارسی میں بھی ان کی نظیر نہیں ملتی ۔ سرسید کی کتابوں سے زیادہ ان کے مضامین مفید ہیں جن سے اردو میں فن مقالہ نگاری پیدا ہوگیا»۔[1]

اسی طرح ڈاکٹر اعجاز حسین نے سرسید ، حالی اور شبلی وغیرہ کو اردو کے اولین مضمون نگار بتایا ہے لکھتے ہیں :-

«آزاد ، سرسید ، حالی ، شبلی اور شرر دور جدید میں ایسے اہل قلم ملتے ہیں جنہوں نے مقالہ نگاری کو بھی اردو میں متعارف کرنے کی کوشش کی اور ان میں سے ہر ایک نے ایسے ایسے مضامین لکھے جو صحیح معنوں میں مقالات کہے جاسکتے ہیں»۔[2]

آل احمد سرور بھی سرسید کو مضمون نگاری کا بانی سمجھتے ہیں «ادب اور نظریہ» میں اسکے متعلق لکھا ہے :-

«سرسید نے خود مضمون نگاری کا آغاز کیا ، صحافت کو ترقی دی اور اسکے ذریعے سے ایک ایسا حلقہ ملک میں پیدا کیا جو نئی ضرورتوں کا احساس رکھتا تھا»۔[3]

---

[1] «تاریخ داستان اردو» ۔ ص (۳۳۸)
[2] «نئے ادبی رجحانات» ۔ ص (۲۴۹)
[3] «ادب اور نظریہ» ۔ ص (۴۸)

سرسید کے ذہن میں بھی کچھ اسی طرح کا خیال تھا چنانچہ وہ اپنی ادبی کوششوں کو مضمون نگاری کی ایجاد سمجھتے ہیں جیسا کہ انکے ایک مضمون «ترقی علم انشاء» سے ظاہر ہوتا ہے - ایک جگہ لکھا ہے:-

«میر امن دہلوی نے کوئی کہانی شستہ بول چال میں کہدی ہو اس سے زیادہ فصیح و دلچسپ با محاورہ نہوگی جو ایک پوپلی بڑھیا بچوں کو سلاتے وقت اُن کو سناتی ہے - مضمون نگاری دوسری چیز ہے جو آج تک اردو زبان میں نہ تھی یہ اسی زمانے میں پیدا ہوئی اور ابھی بچپن کی حالت میں ہے» -[1]

یہ معلوم کرکے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ سرسید اپنے مضامین کو مضمون نگاری کے اولین نقوش سمجھتے تھے - ماسٹر رامچندر کے مضامین یا تو سرسید کی نظر سے نہیں گذرے تھے یا سرسید ماسٹر رامچندر کے مضامین کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے تھے - بہرحال وجہ جو کچھ بھی ہو واقعہ یہ ہے کہ سرسید نے رامچندر کے مضامین کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے - یہ کسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ سرسید، رامچندر سے بالکل ناواقف تھے کیونکہ ان کے بھائی شنکرداس سے سرسید کی بڑی دوستی اور راہ و رسم تھی چنانچہ جب سرسید نے «رسالہ اسباب بغاوت» کو پارلیمنٹ بھیجنا چاہا تو شنکرداس نے اسے مصلحت وقت کے خلاف سمجھ کر انہیں اس ارادے سے باز آنے کی مخلصانہ رائے دی تھی جیساکہ حالی نے «حیات جاوید» میں ایک جگہ لکھا ہے :-

«یہ رسالہ انہوں نے مراد آباد پہنچتے ہی لکھنا شروع کردیا تھا - اسکے ختم ہونے کے بعد بغیر اس کے کہ اسکا انگریزی میں ترجمہ

---

[1] «ترقی علم انشاء» - «تہذیب الاخلاق» - ص (۶۰۰)

کرائیں اردو ہی میں اسکو مطبع مفیلٹ گزٹ اگرہ میں چھپنے کو بھیج دیا اور سنہ ۱۸۶۹ء میں ان کی (۵۰۰) جلدیں چھپ کر انکے پاس پہنچ گئیں جب سر سید نے ان کو پارلیمنٹ بھیجنے کا ارادہ کیا تو انکے دوست مانع آئے اور ماسٹر رامچندر کے چھوٹے بھائی رائے شنکرداس جو اس وقت مراد آباد میں منصف اور سر سید کے نہایت دوست تھے انہوں نے کہاکہ ان تمام کتابوں کو جلا دو اور ہر گز اپنی جان کو معرض خطر میں نہ ڈالو»۔[1]

مضمون نگاری کے ارتقاء میں سر سید کے مضامین ایک توسیع ہیں آغاز نہیں ماسٹر رامچندر اردو کے پہلے مضمون نگار ھیں جنہوں نے شعوری طور پر اردو ادب میں اس صنف کی ابتداء کی۔ رامچندر نے مضمون کے فارم کو خیالات اور جذبات کے اظہار کا سہولت بخش اور غیر رسمی ذریعہ اظہار محسوس کرتے ہوئے اس صنف کو اپنایا تھا۔ سر سید احمد خاں کے مضامین اس ابتداء کا زیادہ نکھرا ہوا اور ترقی یافتہ روپ ھیں انہوں نے مضمون نگاری کو نئی بلندیاں ، نئی وسعتیں اور نئی فنی تراش خراش دی اور اسے سڈول بنایا۔ سر سید نے مضمون نگاری کے موضوعات میں تنوع پیدا کیا اور عمرانی اور اقتصادی رجحانات اور عوامل کے ساتھ ساتھ اصلاحی منصوبوں اور مذھبی نکات کو بھی مضمون نگاری میں متعارف کرانے کی کوشش کی۔ سر سید کے یہاں ہمیں عقلیت ، حقیقت نگاری اور روح عصر کی جو تڑپ نظر آتی ھے وہ مضمون نگاری کیلئے کوئی نئی چیز نہ تھی اس سے پہلے رامچندر نے بھی اپنے زمانے کے سیاسی حالات اور سماجی رجحانات کی تصویریں پیش کی تھیں۔ رامچندر ادب کو زندگی کا رہنما سمجھتے تھے ، انہوں نے اپنے مضامین

---

[1] «حیات جاوید» ص (۷۷)

کی بنیاد روز مرہ کے واقعات اور مادی زندگی کے حقایق اور تجربات پر رکھی تھی اس لئے ان کی تحریروں میں کہیں فراریت نہیں ملتی ۔ انکا ذہن کشمکش حیات کے ٹھوس نتائج سے انکار کرکے ستاروں کی فرضی محفلیں نہیں سجاتا ۔ مختصر یہ کہ سرسید نے مضمون نگاری میں جو عقلیت، ارضیت اور مادیت سمونے کی کوشش کی تھی وہ دراصل مضمون نگاری کیلئے کوئی نیا تحفہ نہ تھا ۔ سرسید کی ادبی عظمت اس میں ہے کہ انہوں نے مضمون کے فارم کو متعین کیا ، اس کی ظاہری ساخت اور اسکے خد و خال کو زیادہ مربوط بنانے اور ان کی حد بندی کرنے کی کوشش کی ۔ اس وقت تک ہمارے ادب میں مضامین کی کوئی خاص شکل نہ تھی سرسید نے اسے ایک خاص شکل دی اور مضمون لکھنے کا ایک مخصوص انداز پیدا کیا چنانچہ « تہذیب الاخلاق » میں ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

« جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے اردو زبان کے علم و ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعے سے کوشش کی مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا .... اس میں کوشش کی کہ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے » ۔[1]

رامچندر کی مضمون نگاری اور « روح عصر »

ماسٹر رامچندر کے شعور نے جس ماحول اور جس زمانے میں نشو و نما پائی تھی وہ معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے ہندوستان کی تاریخ کا ایک بڑا اہم دور تھا مغلیہ سلطنت کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک کر اب لب بام آچکا تھا اور ہندوستان کی سیاست پر آہستہ آہستہ برطانوی سامراجیت چھاتی جارہی

---

[1] « ترقی علم انشا » ۔ ص (۵۹۹)

تھی- جاگیرداری نظام کی شکست و ریخت ، عمرانی زندگی کے تمام شعبوں اور روابط کو متاثر کر کے ایک نئی ہئیت اجتماعی کی طرف بڑھ رہی تھی - یورپ کا صنعتی انقلاب مغرب کے دوسرے تمدنی عوامل کی طرح ہندوستانی معاشرت پر اثر انداز ہو رہا تھا- قدیم سیاسی اور معاشی روایات اور تمدنی قدروں کا یہ تصادم ذہنی انتشار اور بے چینی پیدا کر رہا تھا- ماسٹر رامچندر ہندوستان کی ان چند ہستیوں میں سے تھے جن کے رچے ہوئے شعور نے سیاست کی تمام گہرائیوں کو ناپ لیا تھا اور جو وقت کے اس تقاضے کو جان گئے تھے کہ اگر ہندستانی نئ طاقتوں، نئے میلانات اور نئی قدروں کو پوری طرح اپنا نہ سکیں تو اُن کی قومی زندگی کبھی ابھر نہ سکے گی - چنانچہ یہ ضروری تھا کہ مغربی علوم و فنون، مغربی فلسفہ حیات اور نظریات سے ہم آہنگی پیدا کی جائے - ماسٹر رام چندر وہ پہلے ہندستانی ھیں جنھوں نے مغربی ادبیات سے اثر پذیر ہوکر انہیں اپنی زبان اور اپنے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی - رام چندر اُن رجعت پسندوں میں سے نہیں تھے جنھوں نے نئے حالات اور نظریات سے مقابلہ کرنے کی تاب نہ لا کر اُن سے فرار کی یہ صورت دیکھی تھی کہ پرانی تہذیب کے کھنڈر پر بیٹھے آنسو بہاتے رھیں - اُنہیں اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ بے جان اور فرسودہ قدروں سے محبت، نئے خیالات اور نئ روشوں سے گریز ، زندگی کی جاندار اور متحرک قدروں سے انکار کرنا ھے - چنانچہ وہ جدت پسندی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ھیں :-

«ایسے ایسے مضمون جو یہ احقر لکھتا ھے یہاں کے لوگوں کو نئے اور عجائب معلوم ہونگے لیکن میرا التماس یہ ھے کہ جو ناظرین اس مضمون پر انصاف سے غور فرمائیں اور اپنا عندیہ اس

مطالب کے باب میں ظاہر کردیں۔ بعض نئی بات سے نہایت نفرت کرتے
ہیں بلکہ نیا ہونے ایک رسم کو ایک وجہہ برخلاف اس رسم کے
رواج کے تصور کرتے ہیں یعنی ایک رسم کو وہ فقط اس واسطے
نہیں اختیار کرتے کہ وہ نئی ہے لیکن ناظرین روشن ضمیر پر واضح
ہو گا کہ نیا ہونا یا قدیم ہونا کسی بات کا نہیں دلالت کرتا ہے اس
کے برے یا اچھے ہونے پر۔ ہزارہا رسمیں قدیم ہیں ان سے
بے شمار نقصان نکلتے ہیں اور ہزارہا نئے طریقے ہیں کہ ان
سے فوائد کثیر متصور ہیں۔ لیکن تعصب ہے دشمن بہترائی کا۔
جاہل اور احمق آدمی کہا کرتے ہیں کہ یہ نئی بات نہیں کرنی چاہئے
کس واسطے کہ ہمارے بزرگ ایسی بات نہیں کیا کرتے تھے۔[1]

اس دور کے معاشی انحطاط اور سیاسی انتشار کا عکس رام چندر
کے مضامین میں صاف نظر آتا ہے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ہندوستانیوں
نے اپنی غلامی اور محرومی کو محسوس کرتے ہوئے برطانوی سامراجیت کے
استحصال کے خلاف دبی زبان سے احتجاج کرنا شروع کردیا تھا چنانچہ
«حب الوطنی» میں ملک کے معاشرتی اور سیاسی حالات کا جائزہ لیتے
ہوئے رامچندر لکھتے ہیں :۔

«کم ہمتی جو اہل ہند کا خاصہ ہے اسکے باعث وہ ہمیشہ غلامی میں
رہتے ہیں اور دیکھئے کب تک رہیں گے۔ ان کو آزاد گورنمنٹ کا
تصور بھی نہیں یہ اثر تعلیم کا ہے جو یہاں کے لوگ پاتے آئے ہیں۔

---

[1] حال تربیت لڑکیوں کا۔ «فوائد الناظرین» جنوری سنہ ۱۸۴۷ء۔ ج ۲
ن ۱۔ ص (۶)

ہل ہند میں سے کسی کو بھی کبھی دیکھا نہیں کو وہ حب الوطنی کو کار فرما کر دخیل کار و بار گورنمنٹ ہو اس حال میں یہاں کے باشندوں کو بہت ضرورت واسطے تحصیل علوم مختلفہ کی ہے بدون اس کے ان کی آنکھیں کبھی نہیں کھلیں گی مطالعہ تواریخ آزاد قوموں کا سب سے زیادہ ضرور ہے کیونکہ ان کی عالی ہمتیں اور حب الوطنی کو دیکھ کر انہیں بھی عزم آوے اور ایک روز داغ غلامی سے بری ہوں»۔[1]

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماسٹر رامچندر کو اپنے گرد و پیش کے حالات کا کتنا گہرا شعور تھا۔ ان کے اکثر مضامین میں مغربی استبداد کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہندوستانی زندگی کی کراہ صاف سنائی دیتی ہے۔ آزادی کے سلب ہونیکا انہیں شدید احساس تھا اور ان کا خیال تھا کہ غلامی سے محکوم قوموں کے علوم و فنون بری طرح مجروح ہوتے ہیں۔ چنانچہ «اظہار رائیوں کا» میں رقم طراز ہیں :-

«ایک فاضل نے سچ کہا ہے یعنی اس نے یہ سوال کیا ہے کہ اسکا باعث کیا ہے کہ اہل فرنگ نے اس قدر ترقی علوم و فنون میں حاصل کی اور اہل ہند اور ایران وغیرہ کے آدمی اسقدر تاریکئ جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور پھر اسکا جواب یہ دیا ہے کہ خلقت فرنگ کی آزاد منش ہے اور خلقت ممالک مشرقیہ کی آزاد منش نہیں ہے۔ اہل فرنگ کسی خاص شخص کے غلام نہیں ہوتے کہ ہر امر میں اسکے موافق چلیں»۔[2]

---

[1] «حب الوطنی» ۔ فوائد الناظرین ۔ اکتوبر ۱۸۵۰ ۔ ج ۲ ۔ ن ۲۱ ۔ ص ۱۶۳

[2] اظہار رائیوں کا «فوائد الناظرین» نومبر سنہ ۱۸۴۸ء ۔ ج ۲ ۔ ن ۲۲ ص (۱۷۵)

محنت کش عوام اور کسانوں پر حکومت کے مظالم اور تشدد کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ماسٹر رامچندر نے سامنتی نظام کے زوال سے پیدا ہونے والی نکبتوں پر تنقید کی ھے - زرعی اور اقتصادی حالات کا جائزہ لینے کے بعد وہ ایک جگہ لکھتے ھیں :-

« جب حکام ایسے ایسے کام کریں جن سے بجائے راحت کے رنج خلقت کو ہوتا ھے تو اس صورت میں خلقت پر یہ فرض نہیں رہتا کہ اُن حکام کی فرمان برداری کریں کیونکہ یہ بات غلط ھے کہ خدا کی طرف سے حکام مقرر ھیں اور ان کو اللہ تعالی نے حکام ہمارا بنایا ھے اور اس واسطے کسی صورت میں ہم ان کے مقابلے پر نہ آئیں خواہ وہ کسی قدر ظلم کریں » -[1]

ماسٹر رامچندر برطانوی سیاست کے بعض پہلوؤں سے غیر مطمئن تھے - اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے انگریزوں سے ان کے شخصی تعلقات اچھے تھے مثلاً دھلی کالج کے پرنسپل ٹیلر، شہر دھلی کے مجسٹریٹ سرجان لارنس اور دھلی کے جج مسٹر بگبن وغیرہ لیکن اس سے یہ مطلب نہیں نکال سکتے کہ وہ انگریزوں کی حکومت کو ھندوستانی قوم کے مفاد کیلئے اچھا سمجھتے تھے - اس میں کوئی کلام نہیں کہ رامچندر انگریزوں کے نظم و نسق اور مختلف شعبوں میں اُن کے قواعد و ضوابط اور ان کی تنظیمی صلاحیتوں کو پسند کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انگریزوں نے ہندوستان میں رفاہ عام کے جو کام کئے تھے اُن کی داد بھی رام چندر نے اپنے مضامین میں دی تھی اور حالی کی طرح وہ « برٹش گورنمنٹ کے امن وامان »

---

[1] ضرورت حکام کے باب میں « فوائد الناظرین » ج ۳ - ن ۹ - یکم مئی سنہ ۱۸۴۸ء - ص (۷۰)

کے بڑے مداح تھے[1]۔ لیکن اُنھیں ہندوستانیوں کی محکومی اور ہندوستان کے سامراجی تسلط کے تابع ہونے کا پورا پورا احساس تھا۔ جب کبھی وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے ہم وطنوں کی حق تلفی ہورہی ہے اور ان کے مطالبات کو ٹھکرایا جارہا ہے تو انکا لہجہ بہت سخت اور ان کی تحریریں بڑی تلخ ہوجاتی ہیں۔ امروہہ میں جب انگریزوں نے بعض اراضی ضبط کرلیں تھیں تو اس موقع پر رامچندر نے بڑا پر زور احتجاج کیا تھا اور لکھا تھا :۔

«ہزاروں غریب کہ وجہ معاش اپنی اوپر اسی زمین کے رکھتے تھے نان شبینہ کے محتاج ہوئے۔ پس یہ مثل اس پر صادق آتی ہے کہ سلیمان زمانہ لقمہ دہن چیونٹی سے لیوے اور شاہین قوی بازو لقمہ منہہ کنجشک سے چھینے اگر بہ نظر انصاف دیکھو تو یہ بات لائق حوصلہ ایسے سرداران باوقار کے نہیں ہے کہ روزینہ بخشتا ہوا بزرگان سلف کا پنجہ ضعیفوں بے پروبال سے لیویں اور بیچاری بیواؤں اور محتاجوں کو روٹی سے حیرانی کریں اور ممکن نہیں کہ اتنے زر قلیل سے خزانہ عامرہ سرکاری پر ہوے»[2]۔

اس استحصال اور استبداد کو دور کرنے، ہندوستانی علوم و فنون کو آگے بڑھانے اور ہندوستانی ادب کے فروغ و اشاعت کے لئے رامچندر نے جو کوشیش کی ہیں اور جو خدمات انجام دی ہیں ان پر موصوف کے حالات زندگی سے روشنی پڑتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو ماسٹر رامچندر کا مضمون «میلہ ہردوار کا بیان»۔

[2] حال ضبطی اراضی معافیداران قصبہ امروہہ «فوائدالناظرین» اپریل ۱۸۴۷ ج ۲ ن ۷ ۔ ص (۵۵)

رامچندر کی مضمون نگاری کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مضامین میں «روح عصر» (Zeit Giest) کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے یعنی اپنے زمانے کے سماجی تعلقات اور عمرانی مسائل اور سیاسی و تاریخی رفتار سے پیدا ہونے والے رجحانات اور عوامل سے بحث کی ہے۔ رامچندر کے مضامین کا مطالعہ کرنے سے ہمیں اندازہ ہوسکتا ہے کہ انہیں اپنے وقت کے تمدنی میلانات اور معاشرتی قدروں کا کافی گہرا شعور تھا۔ معاشرہ کی اصلاح اور عوام کی فلاح اور ترقی کے لئے کیا کیا جا سکتا تھا ؟ اور سماج کے الجھے ہوئے مسائل کا کیا حل ہوسکتا تھا اسکا جواب رامچندر کے مضامین میں ملتا ہے رامچندر کو اسکا پورا پورا احساس تھا کہ جاگیرداری نظام کا انحطاط ہندوستانی عوام کی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہو رہا ہے اور بیرونی طاقتوں کا استبداد ان کی صلاحیتوں اور عملی قوتوں کو کس طرح روند رہا ہے جب سماج کے ایک شعبے میں کمزوریاں پیدا ہونے لگی ہیں تو تمدن کے دوسرے شعبے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ سیاست کے تار و پود جب بکھرنے لگتے ہیں تو اس سے عوام کی معاشی اور اخلاقی زندگی بھی متاثر ہوتی ہے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے وقت ہندوستانیوں کے اخلاقی تنزل کی تصویر دیکھنی ہو تو رامچندر کے مضامین کا مطالعہ اسکے لئے بہت معاون ثابت ہوگا۔ اپنے ایک مضمون میں سماج کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے طبقہ امراء کی اخلاقی پستی، اُن کی عیش پسندی اور اور مذہب سے ان کی بے اعتنائی کے متعلق لکھتے ہیں :۔

« ہم اکثر امیروں کو دیکھتے ہیں کہ انہیں ذرا محبت طرف اپنے معبود کے نہیں ہوتی اور تمام روز و شب اُن کی عیش اور عشرت

میں گزرتی ہے اور عاقبت کا خیال ان کے دل سے بالکل مٹ جاتا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارا پروردگار ہم سے ایک روز ہمارے فعلوں کو پوچھے گا تو پھر ہم کیا جواب دینگے وہ ذرا اس بات پر خیال نہ کرکے اس دنیا کے ناپائیدار لغو عیش میں مشغول ہوتے ہیں اور اچھے اچھے نیک کام اور عبادت کردگار کی کرکر پائندار خوشیون اور عیشون کو نہیں حاصل کرتے ہیں ان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم جو یہاں عیش و عشرت میں مشغول ہیں تو یہ چند روز کے ہیں اور نتیجہ انکا برا ہے »۔[1]

ایک اور مضمون میں امراء کے بے تربیت اور بدمزاج لڑکوں کے عادات اور اخلاق پر تبصرہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ وقت کے تقاضوں سے بے خبر اپنی غفلت میں مست ہیں۔ زندگی کا کاروان آگے بڑھتا ہی جا رہا ہے اور وہ جرس کاروان سننے کے بجائے بے جان نغموں میں کھوئے ہوئے ہیں۔ سطحی زیبائش اور مصنوعی آرائش، تمدن کے دیرپا مظہر نہیں صرف « داغ فراق صحبت شب » کے ترجمان ہیں اور امراء کا طبقہ اسی کو سرمایہ حیات سمجھ رہا ہے اور اسلاف کے بلند اخلاقی معیاروں سے دور ہوتا جا رہا ہے « خوشامد » میں لکھتے ہیں :۔

« یہ دیکھا گیا ہے کہ امیروں کے لڑکے اکثر مغرور اور بدمزاج ہوتے ہیں باعث اسکا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچپن سے ان کے نوکر چاکر، ان کی خوشامد کیا کرتے ہیں اور اس ترکیب سے بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ان کے مغز میں سما جاتی ہیں کہ ان کا اخراج بعد ازآں بہت مشکل ہو جاتا ہے وہ اپنے تئیں ہر بات میں بزرگ

---

[1] « عجائبات روزگار » ص (۷۱)

تصور کرنے لگتے ھیں اور اس طرح خود بینی کی بنیاد جم جاتی ھے اور خوشامد کا ایسا برا اثر ہوتا ھے کہ اسکے باعث سے انسان انسانیت سے خارج ہو جاتا ھے»۔[1]

اس اخلاقی تنزل اور پستی کی وجہ سے نہ صرف طبقۂ امراء میں بلکہ متوسط طبقے میں بھی بے عملی اور کاہلی پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے شہر «شاہ جہاں آباد» کے لوگوں کی عام حالت پر ایک مضمون میں رامچندر نے اس طرح تبصرہ کیا ھے :۔

«اب اس ہمارے شہر شاہ جہاں آباد میں اکثر لوگ اعلی سے ادنی تک طرف عیش کے بہت مائل ھیں اور ذراسی محنت اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے اور اگر کوئی کام بہ سبب لاچاری کے کرنا پڑتا ھے تو اسے نہایت بے دلی سے انجام دیتے ھیں اور یہ نہیں جانتے کہ محنت کرنا ...... ہر شخص پر فرض ھے۔ ہم اکثر رئیس اور امیر لوگوں کو بسبب عیاشی اور کاہل وجودی کے شاکی اور کمزوری اور مختلف بیماریوں کا شکار پاتے ھیں»۔[2]

جب سماج کے مختلف طبقے عیش و عشرت اور بیکاری و بے عملی کی طرف راغب ہوتے ھیں تو ملک کی خوش حالی کا عام معیار گرنے لگتا ھے اور اس طرح قوم کا زوال شروع ہوتا ھے۔ اسی کے متعلق اقبال نے کہا تھا :۔

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ھے
شمشیر و سناں اول طاوس و رباب آخر

---

[1] «خوشامد» «فوائد الناظرین» فبروری ۱۸۴۷ء ۔ ج ۲ ۔ ن ۲ ۔ ص ۱۳
[2] سستی کے بیان میں «فوائد الناظرین» جنوری ۱۸۴۷ء ۔ ج ۲ ۔ ن ۱ ۔ ص ۲

ماسٹر رامچندر کا ذیل کا بیان اس حقیقت کی تفسیر ہے :-

« جب قوموں کی ترقی یا تنزل ہونے والا ہوتا ہے تو اسکے آثار پہلے سے نمودار ہوتے ہیں مثلاً جب بادشاہ سلف بابل کے عیاش اور بے خبر ہونے لگے تھے تو ایران والوں نے انہیں زیر کیا اور جب ایران بے خبر امور ریاست سے ہوئے تو اہل یونان نے انہیں تابع کیا اور جب یونانی قوم میں بھی عیش و عشرت نے جڑ پکڑی تو اس وقت اہل رومه نے انہیں زیر کیا » ۔[1]

اپنے ایک اور مضمون « هندوستان » میں اپنی قوم کی عیش پسندی اور کاہلی کو وہ سیاسی غلامی اور سماجی بے حسی کا سبب بتاتے ہیں ۔ هندوستان کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اہل هند کے عیش و عشرت نے ہر زمانے اور ہر عہد میں اُن کی اخلاقی اور اجتماعی زندگی پر برا اثر مرتب کیا ہے ۔ لکھتے ہیں :-

« جس وقت کہ اہل اسلام نے هندوستان میں شروع شروع دخل پایا اس عہد میں شہر قنوج میں تیس ہزار دکان پان والوں کی تھیں اور ساٹھ ہزار قوال اور طوائف وغیرہ تھیں ۔ پس یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ سامان عیش و عشرت کا تھا تو بلاشک وہاں بہت آدمی عیاش ہونگے » ۔[2]

قوم کی پستی اور زبوں حالی کا جائزہ لیتے ہوئے هندوستانی قوم کے مستقبل کے بارے میں ان کا لہجہ مایوسانہ ہو جاتا ہے اور وہ یہ

---

[1] ترجمہ مضمون چھٹی ۔ « فوائد الناظرین » ۔ آگسٹ ۱۷۴۷ء ۔ ج ۲ ن ۱۹ ص (۱۵۴)

[2] « هندوستان » ۔ « عجائبات روزگار » ۔ ص (۱۰۸)

سوچنے لگتے ہیں کہ ہندوستانی قوم کا مستقبل تاریک ہی رہے گا کیونکہ ترقی کی امنگ اور جدوجہد کی صلاحتیں اُس قوم نے کھودی ہیں، اور اب وہ مخالف قوتوں کو بھی زیر نہیں کر سکیگی۔ ماسٹر رامچندر لکھتے ہیں:۔

«غرض یہ کہ کوئی علامت ایسی نہیں پائی جاتی کہ اس سے یہ معلوم ہو کہ کسی وقت میں اہل ہند اولوالعزم اور آزاد منش مثل اہل فرنگ کے ہوجائیں۔ اہل ہند میں کوئی ایسے قواعد اخلاق اور انتظام اور رسوم کے نہیں پائے جاتے کہ یہاں کی خلقت کبھی عالی حوصلہ ہو اکثر لوگ ہند کے کسی مطاب مقصود کیے حاصل کرنے کے واسطے استعمال دغابازی اور فریب کا پسند کرتے ہیں اور علاوہ ازین ان میں اتفاق نہیں ہے اور وہ ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے پس ان باعثوں سے یہ توقع ہوتی ہے کہ انگریزوں کی سلطنت میں سینکڑوں برس تک کچھ خلل نہیں آئے گا اور وہ با امن و امان یہیں سلطنت کیا کرینگے»۔[1]

رامچندر نے اپنی قوم کی جیسی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی ہیں اور غدر سے قبل کے ہندوستان کا جیسا بے مثل مرقع کھنچا ہے وہ اس وقت کے کسی اور مصنف کے پاس شاید ہی مل سکے۔ مختصر یہ کہ رامچندر نے اپنے گرد و پیش کے سیاسی، معاشی اور تمدنی حالات اور واقعات کو اپنے مضامین میں سمو دیا ہے۔

سماجی اصلاح | دوسری خصوصیت ان کے مضامین کی یہ ہے کہ ماسٹر رامچندر ان کے ذریعے سے سماجی اصلاح چاہتے تھے اور ان کا

---

[1] ترجمہ مضمون چھٹی۔ «فوائد الناظرین» اگست سنہ ۱۸۴۷ء۔ ج ۲ ن ۱۹۔ ص (۱۵۴)

مقصد یہ تھا کہ ہندوستانیوں میں فضول رسم و رواج کی جو پابندی چلی آرہی تھی اور یہاں کے لوگوں میں جو فرسودہ خیالات سے محبت اور نئی قدروں سے نفرت تھی، اس کو دور کیا جائے۔ اپنے مضامین میں ماسٹر رامچندر نے نظام کہن اور رسوم پارینہ کے گریبان چاک کردئے ہیں۔

رامچندر اس نظرئے کے حامل تھے کہ افراد کی کوششوں سے قوم اُبھرتی ہے اور مستقبل میں ہندوستان کی ترقی کیلئے یہ ضروری ہے کہ نئی پود کی تعلیم و تربیت اور ان کی اصلاح کا خاص خیال رکھا جائے۔ چنانچہ اپنے ایک مضمون میں جسکا عنوان «تربیت کرنا بچوں کا ابتداء عمر میں» ہے لکھتے ہیں:-

«ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ ابتداء عمر میں بچوں کا دل مثل موم کے ہوتا ہے یعنی جو کچھ اُن کے دل پر نقش کیا جا ہو وہی ہو جائے گا۔۔۔۔۔ اگر ان کے پیچھے کوئی بدعادت لگ جائیگی تو پھر اسکا ایام جوانی میں چھوڑنا امر مشکل ہو جائے گا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تمام ہندوستان کی بلکہ خصوصاً شاہ جہان آباد کے آدمیوں کو اس بات پر ذرا توجہ نہیں ہے کہ اپنے بچوں کو ابتداء عمر سے اچھی اچھی عادتیں ڈلوادیں۔۔۔ یہاں کے امیر و غریب زیادہ تر اپنے لڑکے کو علوم اور اچھی باتیں سکھانے میں محترز ہوتے ہیں برخلاف اسکے وہ اپنے بچوں کو اچھے اور نیک معلموں اور اتالیقوں سے تعلیم کروادیں اور انہیں پتنگ بازی اور بٹیر بازی کے کھیل کھیلنے میں تحریک کرتے ہیں»۔[1]

---

[1] «تربیت کرنا بچوں کا ابتداء عمر میں» - «فوائد الناظرین» فبروری سنہ ۱۸۴۷ء - ج ۲ ن ۲ - ص (۱۵)

دلی کے امراء کے عیش و عشرت اور اُن کے لڑکوں کی جہالت اور بد اطواری کا جو نقشہ حالی نے بعد میں اپنے مسدس میں کھینچا تھا۔ وہ اس تصویر سے کتنا ملتا جلتا ہے۔[۱]

رامچندر کے خیال میں اچھی تربیت وہ ہے جس میں بچوں کی عقل اور ان کا شعور بیدار ہو اور پوشیدہ صلاحیتیں بروئے کار آسکیں ایک مضمون میں اچھی تربیت کی اس طرح تعریف کی ہے :-

«واضح ہو کہ اچھی تربیت سے فقط یہ مراد نہیں ہے کہ آدمی لکھنا اور پڑھنا خط وغیرہ کا سیکھ جاوے بلکہ اُس سے مراد وہ عقل اور شعور اور استعداد کی ہے جو بہ سبب تحصیل کتب، فاضلوں اور حکماء سے اور صحبت عاقلوں اور عالموں کی سے حاصل ہوتی ہے»۔[۲]

رامچندر ہندوستان میں تعلیم و تربیت کی ضرورت اس وجہ سے محسوس کرتے ہیں کہ یہاں کے لوگ روشن خیال ہوکر زندگی کی نئی روایات کو اپنا سکیں اور اپنے ملک کے سیاسی اور معاشرتی حالات کا صحیح اندازہ کرکے ان کی اصلاح کی کوشش کر سکیں۔ رامچندر کا ایقان یہ تھا کہ سیاسی غلامی سے ہندوستان کو آزاد کرانے کیلئے تعلیم کی شدید ضرورت ہے۔ تعلیم ہی کے ذریعہ سے ہندوستانی اپنے مسائل کو سمجھ سکتے

---

[۱] شریفوں کی اولاد بے تربیت ہے۔ تباہ ان کی حالت بری ان کی گت ہے
کسی کو کبوتر اُڑانے کی لت ہے۔ کسی کو بٹیریں لڑانے کی دھت ہے
چرس اور گانجے کا شیدا ہے کوئی۔ مدک اور چنڈو کا رسیا ہے کوئی۔

[۲] «عجائبات روزگار» ص (۱۰۳)

هیں اور آزاد قوموں کی تاریخ کے مطالعے سے اُن میں قومی ترقی کی امنگ اور آزادی کی لگن پیدا ہوسکتی ہے۔

نظریہ تعلیم | اُس زمانے میں ہندوستان کے حکمرانوں اور ارباب سیاست میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ہندوستانیوں کو مشرقی تعلیم دی جائے یا مغربی۔ لارڈ مکالے مغربی تعلیم کا حامی تھا اور اسکا خیال یہ تھا کہ مغرب کی ترقیوں اور اسکی مادی برکات تک رسائی حاصل کرنے کیلئے ہندوستان میں نئے علوم کی ترویج و اشاعت ضروری ہے۔ ۲۰۔ اپریل سنہ ۱۸۴۷ء کے لندن ٹائمس میں مکالے کی ایک تقریر شایع ہوئی تھی جسکا ماسٹر راجندر نے بڑے اہتمام سے ترجمہ کر کے « فوائد الناظرین » میں چھاپا تھا۔

ماسٹر رامچندر کا یہ نظریہ تھا کہ ہندوستانیوں کو یورپی علوم و فنون سکھائے جائیں تاکہ اُن میں زندگی کی نئ رفتار کا احساس جاگ اٹھے اور وہ وقت کی دھڑکنوں سے ہم آہنگی پیدا کرسکیں۔ ماسٹر رامچندر کا یہ بھی تصور تھا کہ انگریزی زبان ہی کے ذریعہ سے مغربی علوم و فنون سیکھے جائیں۔ ہندوستانی زبانوں میں نئے علوم و فنون کو منتقل کرنا ایک بڑا ذمہ دارانہ اور دقت طلب امر ہے اپنے ایک مضمون « تربیت اہل ہند » میں وہ لکھتے ہیں کہ اس وقت سارے ہندوستان میں (٥٦) مختلف زبانیں رایج ہیں اور ایک ایک انگریزی کتاب کا ان (٥٦) زبانوں میں ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے اس سے زیادہ آسان اور سہولت بخش امر ہندوستانیوں کیلئے یہ ہے کہ وہ انگریزی زبان سیکھ لیں۔[1] اپنے اس مضمون میں ماسٹر رامچندر نے اُن لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو اس پر مصر ہیں کہ تعلیم میں

---

[1] « محب ہند » جون ۱۷۴۸ء ۔ ج ۱۰ ۔ ص (٤٧)

صرف مشرقی معیاروں ہی کی پابندی کی جائے - اسی نظریہ تعلیم کو ذرا سے تغیر و تبدل کے بعد سرسید اور اُنکے رفقاء نے علی گڈھ تحریک کا ایک اہم رجحان بناکے پیش کیا تھا -

بعض انگریز سیاست دانوں کی یہ رائے تھی کہ ہندوستانیوں کو مغربی علوم سے بے بہرہ رکھا جائے ورنہ نئے علوم کے حصول سے اُن میں سیاسی اور سماجی جاگرتی پیدا ہوگی اور وہ اپنے حقوق اور آزادی کی حفاظت کیلئے کاروبار سیاست میں دخل اندازی کرنے لگیں گے - ۲۲ - ستمبر سنہ ۱۸۴۸ء کے « دہلی گزٹ » میں ایک خط شایع ہوا تھا جس میں اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے گئے تھے - ماسٹر رامچندر « رائے ایک انگریز کی درباب تربیت اہل ہند کے » کے زیر عنوان اس قسم کے خیالات پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

« بعض انگریزوں کی یہ رائے تھی اور اب بھی ہے کہ اگر اہل ہند کو علوم و فنون اہل فرنگ سکھائے جائیں تو وہ لوگ آزاد منش اور عالی حوصلہ ہوکر اہل انگریز کی حکومت کو دور کرنا چاہیں گے اور اپنے ملک کے آپ حاکم بننے کا ارادہ کریں گے اور اس باعث سے اہل ہند کو انگریزی طریقے پر تربیت کرنا گویا اپنے حق میں برائی کرنی ہے » -[2]

ماسٹر رامچندر اپنے ایک مضمون « حب الوطنی » میں ہندوستان کے مروجہ تعلیمی نظام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب تک

---

[1] « محب ہند » جون ۱۸۴۸ء - ج ۱۰ - ص (۴۸)

[2] « فوائد الناظرین » آگسٹ سنہ ۱۸۴۷ء - ج ۲ - ن ۱۹ - ص (۱۵۴)

ھندوستانیوں کو نئے علوم و فنون نہ سکھائے جائیں گے اُن کی آنکھیں نہیں کھلیں گی » ۔ وہ حب الوطنی کو صحیح تعلیم کا ثمر سمجھتے ھیں اور ان کا خیال یہ ھے کہ مغربی تعلیم کے حصول ھی سے یہاں کے لوگ بیدار ہو کر « داغ غلامی سے بری ہو سکتے ھیں » ۔

ماسٹر رامچندر تعلیم نسواں کے بڑے حامی تھے انہوں نے ھم عصر اخباروں اور رجعت پسند لوگوں کی مخالفت کے باوجود تعلیم نسواں کی حمایت کی اور عورتوں کی اصلاح اور تربیت کے متعلق نہایت ترقی پرور رجحانات ظاہر کئے « حال تربیت لڑکیوں کا » میں آزادی نسواں سے ملک اور قوم کو جو فائدہ پہنچے گا اس پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ھیں :۔

« اس احقر نے کئی دفعہ پہلے بھی کچھ فوائد پڑھانے اور لکھانے لڑکیوں کے بیان کئے تھے اور غالب ھیکہ بعض ناظرین اس مضمون کو ملاحظہ کر کے ان فوائد سے آگاہ ہوئے ھونگے لیکن اسکا کچھ اثر نہیں معلوم ھوتا اب یہ احقر سب ناظرین اس پرچے سے اور خصوصاً اُن صاحبوں سے جو رفاہ عام کے بہت درپے ھیں عرض کرتا ھوں کہ لڑکیوں کو پڑھانا لکھانا ایک امر نہایت سہل ھے اور فوائد اسکے لا انتہا ھیں » ۔[1]

اس زمانہ کا عام خیال یہ تھا کہ تعلیم نسواں ایک بڑا قومی خطرہ ھے اور اسکے بارے میں لوگوں کی رائے یہ تھی کہ عورتیں تعلیم کی وجہ سے اپنے مذھب سے بیگانہ اور بیباک ھو جاتی ھیں ۔ اسکے علاوہ لوگ ایسے طریقوں پر کاربند ہونا نہیں چاہتے تھے جنہیں اُن کے باپ دادا کی طرف

---

[1] « حال تربیت لڑکیوں کا » ۔ « فوائد الناظرین » جنوری سنہ ۱۸۴۷ء ۔ ج ۲ ن ۱ ۔ ص (۸)

سے جواز کی سند نہ ملی تھی - نئے نظریوں اور نئے خیالات کو اپناتے ہوئے جو لوگ ڈرتے تھے اُن کے متعلق اسی مضمون میں لکھتے ہیں :-

«افسوس ہے کہ یہاں کے لوگ اس بات پر ذرا غور نہیں کرتے - بہت سے منشی اور مولوی اور عالم اور فاضل اس شہر دہلی میں ہیں لیکن اس، ظاہر فائدے کی بات پر وہ ذرا غور نہیں کرتے کیا جانئے ان کے مزاج میں کیا سستی ہے اور کیا تعصب واسطے طریقے قدیم کے ہے - وہ اس پر ذرا خیال نہیں کرتے ہیں بعض اوقات وہ خود عورتوں کی بیوقوفی اور حمق سے تنگ آجاتے ہیں اور اکثروں کا گلہ کرتے ہیں لیکن اس بات پر وہ کبھی نہیں غور کرتے کہ باعث اس حمق اور جہالت مستورات کا بے علمی ہے» -[1]

ایک دفعہ مہتمم «سلطان الاخبار» نے تعلیم نسواں کی مخالفت کی تھی اور لکھا تھا کہ لڑکیوں کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ارکان صلواۃ اور واجبات کو سمجھیں اور قرآن اور مسائل شریعت سے واقف ہوجائیں - فلسفے اور دوسرے علوم کی تعلیم عورتوں کے لئے اخلاقی اور دینی اعتبار سے مضر ہے ، اس پر رامچندر نے سخت تنقید کی تھی اور یہ ثابت کیا تھا کہ مذہب اسلام میں اس طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے -[2]

رامچندر اس تصور کے قائل تھے کہ معاشرے کے زیادہ سے زیادہ افراد تعلیم حاصل کریں تاکہ قومی ترقی میں سرعت اور استحکام پیدا ہو - اُنہوں

---

[1] «حال تربیت لڑکیوں کا» - «فوائد الناظرین» جنوری ۱۸۴۷ء - ج ۲ ن ۱ - ص (۸)

[2] «فوائد الناظرین» فبروری ۱۸۴۷ء - ج ۲ - ن ۳ - ص (۲۳)

نے نہ صرف تعلیم نسواں ہی کی حمایت کی ہے بلکہ اپنے رسالوں میں بہروں، گونگوں اور اندھوں کی تعلیم پر بھی زور دیا ہے۔

عقلیت (Rationalism) اور حقیقت نگاری (Realism)

رامچندر اردو کے وہ پہلے مصنف ہیں جنہوں نے مغربی ادبیات سے متاثر ہوکر اُن کی جاندار روایات اور توانا ادبی قدروں کو اپنانے اور انہیں اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔ رامچندر کے نئے خیالات اور نظریات کی وجہ سے لوگ بقول مولوی عبدالحق انہیں «بدمذہب اور ملحد» کہنے لگے تھے۔ دراصل یہ وہ زمانہ تھا جب مغرب کی عقلیت دوسرے تمدنی میلانات کے ساتھ ہندوستانیوں کے فلسفہ زندگی کا جزو بنتی جا رہی تھی۔ رامچندر کے مضامین کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اُس اصلیت یا حقیقت نگاری اور عقلیت کی نمائندگی کرتے ہیں جو یورپ اور انگلستان کے صنعتی انقلاب کے نتیجے کے طور پر مغرب سے ہندوستان پہنچ رہی تھی اور مشرق کی تنگ نظری، جہالت اور توہم پرستی سے ٹکرا رہی تھی رامچندر نے اپنے مضامین کے ذریعے سے ہندوستانی عوام کو قدیم روایات سے محبت کرنے کے بجائے واقعات اور نظریات کو عقل کی کسوٹی پر جانچنے کی دعوت دی۔ عقلیت سے مشرق والوں کو جو تنفر سا ہے اس پر انہوں نے سخت تنقید کی ہے۔ عقل پرستی کے خلاف مشرق میں جو مختلف باتیں گڑھ لی گئی ہیں اُن پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون «منطق اور فلسفہ» میں لکھتے ہیں:-

«بعض علماء کا یہ قول ہے کہ علماء یونان سے زیادہ کسی کو عقل نہ ہوگی بلکہ بعض نادانوں سے سنا ہے کہ جب اہل یونان نے عقل کو

بہت دخل دیا اور کارخانجات الہی میں دخل دینے لگے خدا نے ان کو غرق کر دیا بعضوں کے نزدیک مشہور ہے کہ یونانیوں نے ایک چاند بنایا تھا جسکی روشنی کوسوں تک جاتی تھی اور افلاطون، وقت طوفان کے ایک مٹکے میں بیٹھہ گیا مگر وہ غرق نہیں ہوتا اور ایسی دوا کا استعمال کیا ہے کہ مرتا نہیں اب تک بقید حیات ہے بعض مسافرین کو کبھی کبھی برلب سمندر مل جاتا ہے» ۔[1]

جدید مغربی علوم اور خصوصاً سائنس سے رامچندر کی دلچسپی اُن کی عقلیت کا بہترین ثبوت ہے اُنہوں نے طبعیات، کیمیاء اور سائنس کے دوسرے علوم پر متعدد مرتبہ اپنے رسالوں اور اپنی کتابوں میں اظہار خیال کیا ہے اور مغرب کی مادی اور سائنسی ترقی کی دل کھول کر داد دی ہے ۔ رامچندر کا خیال یہ تھا کہ مغربی ممالک میں جو سائنسی ترقی ہو رہی ہے وہ انکے صنعتی اور اقتصادی نظام پر صحت مند اور خوشگوار اثرات مرتب کرے گی ۔

رامچندر کے مضامین کی سب سے اہم خصوصیت یہی ہے کہ ان سے اردو ادب میں اُس عقلیت اور اصلیت کی ابتداء ہوتی ہے، جسکی نشونما بعد کے دور میں ہمیں حالی اور سرسید کی ادبی تخلیقات میں دکھائی دیتی ہے ۔ آج ادب میں جس روح عصر اور افادیت (Utility) کو ڈھونڈا جارہا ہے اسکے آثار اردو نثر میں سب سے پہلے رامچندر ہی کے مضامین میں ابھرے تھے ۔ اس لحاظ سے ماسٹر رامچندر اردو کے سب سے پہلے مصنف ہیں جنکے یہاں ایک رچا ہوا سماجی شعور، جدت پسندی اور ترقی پسندی ملتی ہے ۔

---

[1] «منطق اور فلسفہ» ۔ «فوائد الناظرین» جون سنہ ۱۸۵۰ء ۔ ج ۵ ن ۱۳ ۔ ص (۹۷)

انگریزی ادب کا اثر رامچندر وہ پہلے ادیب ہیں جنھوں نے انگریزی ادب سے ، اردو کو روشناس کرایا اور اس سے متاثر ہو کر انگریزی کے طرز پر مضامین لکھنے کی کوشش کی ۔ چنانچہ ان کے مضامین اور ان کے رسالے « فوائدالناظرین » پر تبصرہ کرتے ہوئے گارسان دتاسی نے لکھا ہے :۔

« ایک اور ماہنامہ رسالہ ہے جسکا نام « فوائد الناظرین » ہے اس میں علاوہ خبروں کے مضمون بھی چھپتے ہیں جو انگریزی ذرائع سے ماخوذ ہوتے ہیں » ۔[1]

خود رامچندر نے اپنے ہم وطنوں کی بے اعتنائی اور ناقدر شناسی پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے اُنہیں اسکا احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ اُن کے مضامین اپنی نوعیت کے لحاظ سے اردو دان طبقے کیلئے بالکل نئے ہیں کیونکہ اُنہوں نے ان کو انگریزی کتابوں اور انگریزی تصانیف سے اخذ کر کے اور ان کے رنگ میں ڈوب کر لکھا ہے چنانچہ سنہ ۱۸۵۰ء کے « فوائد الناظرین » میں تحریر کرتے ہیں :۔

« ترجمہ کرنا مختلف کتب انگریزی سے بغیر کسی فائدے کے اپنے اوپر گوارا کیا تھا کہ اس محنت سے میرے ہم وطن اُن کتابوں سے جو زبان انگریزی میں ہیں بہرہ مند ہوں اور مجھ کو بہ نام خیر یاد فرمائیں » ۔[2]

رامچندر انگریزی کے پروفیسر رہ چکے تھے اور چونکہ بچپن ہی سے اُن کی تعلیم انگریزی اسکولوں میں ہوئی تھی اس لئے اُنہیں اس

---

[1] « خطبات گارسان دتاسی » ص (۲۳)

[2] « فوائدالناظرین » ج ۵ ۔ ن ۷ ۔ ص (۱۵)

زبان سے خاص دلچسپی اور شغف تھا۔ انہوں نے کئی انگریزی مضامین کا ترجمہ بھی کیا تھا اور متعدد موضوعات پر انگریزی طرز ہی میں مضامین لکھنے کی کوشش کی تھی «اخلاق»، «نصیحت»، «فرض مربیوں کا طرف اُن کے بچوں کے»، «غیبت»، «تحصیل علم»، «اوقات کے صرف کے بیان میں»، «عالی حوصلہ ہونے کے بیان میں»، «نصیحت ایک دانشمند فاضل کی»، «قدیم انگریزوں کے بتوں کا حال»، «اخبار ظریف لندن»، «میلان بچوں کا طرف نقل کرنے کے»، «ترجمہ ایک مضمون کا جسے ایک فاضل انگریز نے اپنی کتاب میں لکھا ہے»، اور «بے انتہا ہونا عالم کا اور بیان قدرت اللہ تعالی کی کا»، انگریزی ادب کی خوشہ چینی کے غماز ہیں۔ رامچندر نے انگریزی ادیبوں کے جن تصورات اور خیالات کو اپنے مضامین میں پیش کیا ہے اُن کے ماخذوں کی انہوں نے صاف اور کھلے الفاظ میں وضاحت بھی کردی ہے۔

رامچندر نے بیکن، ایڈیسن اور ھکسلے کے مضامین کو بہت سراہا ہے اور متعدد مرتبہ ان کے حوالے بھی دئیے ہیں۔

لندن پنچ | رامچندر جس زمانے میں انگریزی ادب سے متاثر ہوئے تھے وہ انگلستان میں «لندن پنچ» کی مقبولیت کے شباب کا زمانہ تھا۔ لوگ اس اخبار کے مزاح اور اسکی ظرافت پرجان چھڑکتے تھے۔ رامچندر نے «لندن پنچ» کی دل کھول کر داد دی ہے اور اس کے محاسن پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جس میں انہوں نے اس اخبار پر تبصرہ بھی کیا ہے اور ھندوستانیوں سے اسکا اس طرح تعارف کرایا ہے:۔

—« اخبار ظریف لندن »—

« دارالسلطنت شہر لندن میں اگرچہ صدہا طرح کے اخبار عجیب عجیب جاری ہوتے ہیں لیکن ایک اخبار جس کا نام « ظریف » ہے ہر ہفتہ طبع ہوتا ہے اس اخبار کو انگریزی زبان میں « پنچ » کہتے ہیں اس میں عمدہ عمدہ مطالب اور ظریف باتیں اور عجیب عجیب ڈھنگ کی تصویریں چھپتی ہیں کہ جس کو پڑھ کر اور دیکھ کر بے اختیار ہنسی چھوٹتی ہے اگرچہ اس میں پرلے درجے کی مذاق کی باتیں مندرج ہوتی ہیں لیکن کیا مجال کہ کوئی بات بے حیائی کی پائی جاوے اس اخبار کی بارہ روپئے سال قیمت ہے اور سنتے ہیں کہ دس ہزار پرچہ ہر ہفتہ اجرا ہوتا ہے - ایک اخبار میں سے ہم کچھ باتیں لکھتے ہیں اکثر کنایہ و بدائع و صنائع و اصطلاحات اس میں ایسی ہیں کہ اُن کے سمجھنے کے واسطے ہمارے ناظرین ہندوستان کو شرح کی ضرورت ہے چنانچہ چند باتیں اس میں لکھتا ہوں اور جو جو بات شرح طلب ہے اس کی تشریح حاشیہ پر کردی گئی ہے » -[1]

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اخبار « پنچ » کے مطالعے سے رامچندر کو جب ایسی دلچسپی تھی تو وہ ضرور اس کے لکھنے والوں کی ظرافت اور اُن کے طرز بیان سے متاثر ہوئے ہوں گے ، لیکن رامچندر کے مضامین کا بغور مطالعہ کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ « پنچ » کے مزاح یا اسکے لطیف طنز سے اثر پذیر نہو سکے تھے ان کے کسی مضمون میں ظرافت کی کوئی نمایاں جھلک دکھائی نہیں دیتی اور ایسا معلوم ہوتا

---

[1] « فوائد الناظرین » - اپریل سنہ ۱۸٤۹ء - ج ۵ - ن ۸ - ص (۵۷)

ھے کہ راجندر « پنچ » سے اس کی ظرافت کو اپنانے کے بجائے صرف اسکے مضامین کی ٹکنیک اور ان کے نئے خد و خال سے متاثر ہوئے تھے - اسکی ذمہ داری اُن کی سنجیدہ فکر اور متین طبعیت پر عاید ہوتی ھے جو ھلکے پھلکے مضامین کو نظر انداز کرکے ٹھوس ، عملی موضوعات اور سنجیدہ مباحث کی طرف مائل رہتی ھے -

فرانسس بیکن اور ایڈیسن کے فن کا انہوں نے بار بار اعتراف کیا ھے - اور اُن کے مضامین کے حوالے بھی دئے ھیں - مثلاً ان کا مضمون « اخلاق » ان دونوں انگریزی مصنفین کی خوشہ چینی کا کھلے الفاظ میں اعلان کرتا ھے - مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو :—

— : اخـــلاق : —

« واضح ہو کہ مضمون دوستی پر جو علم اخلاق میں سے ھے اور اس آپس کی محبت پر اکثر فاضلوں نے بہت کچھ لکھا ھے اور اکثر توجہ کی ھے - اول سسرو فصیح رومیہ کبری کے نے اس مضمون پر بہت کچھ لکھا ھے اُس نے لکھا ھے دوستی خوشی کو زیادہ کرتی ھے اور کمبختی کو کم - دوستی دوبالا کرتی ھے خوشی کو اور غم آپس میں تقسیم ہوجاتا ھے - سر فرانسس بیکن صاحب نے دوستی کے اچھے نتیجوں پر جن کو وہ « پھل دوستی کے » کہتے ھیں بہت اچھی طرح سے بیان کیا ھے اور ایڈیسن صاحب لکھتے ھیں کہ بیشک کوئی ایسا مضمون علم الاخلاق میں سوائے دوستی کے نہیں جس پر کہ اکثر فاضلوں نے بہت توجہ کی ہو ..... ایک اور مصنف انگریزی نے لکھا ھے کہ اپنے پرانے دوست کو نہیں چھوڑنا چاہئے کس واسطے کہ نیا دوست گویا نئی شراب ھے اور جبکہ وہ پرانی ہوجاتی ھے تو بہت خوشی اور سرور سے پی جاتی ھے

۰۰۰۰۰۰۰۰۰ اور ایڈیسن صاحب اس پر اپنی رائے دیتے ہیں کہ دوستوں میں برابری چلن کی ہونا ضروری ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں ایسے بھی انسان پائے گئے ہیں کہ کسی وقت میں بہت اچھے اور خوش آئند مشہور تھے اور بعض وقت وہ ناپسند حقیر ہوگئے »۔[1]

اسی طرح اکثر اخلاقی موضوعات پر لکھے ہوئے مضامین میں رامچندر نے ایڈیسن کے تاثرات اپنے الفاظ میں ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ « غیبت » میں لکھتے ہیں :۔

« بعضے عقلمند ایسے ہوتے ہیں کہ اُن بیچاروں کے عیب کو چن کر اُن کی ہجو اور غیبت لکھتے ہیں۔ کیا نہایت بری بات ہے کہ وہ لوگ ان کی ہجو کر کر اوران کی نیک نامی کو داغ لگاتے ہیں۔ ایڈیسن صاحب فرماتے ہیں کہ اگر روپیہ یا زندگی جاتی رہی تو اسکا کچھ رنج نہیں بہ نسبت کہ نیک نامی جانے کا۔ ایرس ٹو خیرہ نے حکیم سقراط کی ہجو لکھی تھی اور اسکا قہقہہ تماشہ گاہ میں اڑایا تھا لیکن وہ ایسا حکیم تھاکہ وہ خود اس تماشہ گاہ میں آیا اور اپنی ہنسی دیکھ کر چہرہ پر ملال نہ لایا »۔[2]

اپنے بعض مضامین میں رامچندر نے ایڈیسن کے مضامین کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کردیا ہے « بے انتہا ہونا عالم کا اور بیان قدرت اللہ تعالی کی کا »کا پورا ترجمہ اسی انداز میں کیا ہے اور ایڈیسن ہی کی زبانی سارے مطالب بیان کئے ہیں :۔

---

[1] « اخلاق » ۔ فوائدالناظرین ۔ جولائی سنہ ۱۸۴۷ء ۔ ج ۳ ن ۱۵ ۔ ص (۱۱۴)

[2] « غیبت » ۔ فوائد الناظرین ۔ جون سنہ ۱۸۴۸ء ۔ ج ۳ ۔ ن ۱۲ ۔ ص (۹۲)

«ایڈیسن صاحب جوکہ بہت دانا انگریز تھا بیان کرتا ھے کہ ایک دن میں شام کے وقت جنگل میں چلا جاتا تھا اور وہاں اس وقت ایک عجیب تنہائی کا عالم تھا جب آفتاب نے کنارۂ آسمان سے اپنی تئیں چھپایا تو ستارے جوکہ اسکے سامنے شرمندہ ہوتے تھے اور اس واسطے اسکے حضور میں نمودار نہیں ہوتے تھے اپنے اپنے مداروں میں دکھائی دینے لگے اور نوبت بہ نوبت یہ ستارے بہت سے نظر آنے لگے یہاں تک کہ سارا آسمان ان سے بھر گیا اور چاند بھی بڑی شان و شوکت سے نمودار ہوا» ۔[1]

اگرچہ رامچندر نے ایڈیسن کے مضامین سے بڑا فیض اٹھایا ھے اوران کے خیالات سے وہ بہت زیادہ متاثرہوئے ھیں لیکن یہ عجیب بات ھے کہ خود ان کے مضامین اور ان کا طرز بیان ایڈیسن سے زیادہ بیکن سے ملتا جلتا ھے ۔ رامچندر کے مضامین میں ایڈیسن کا سا نکھار، دلنشینی اور البیلا پن نہیں اوو نہ ہی اُن کی وہ عظیم‌الشان کردار نگاری ھے ۔ جس نے سر راجر (Sir Roger) جیسے کردار کی تخلیق کی تھی ۔ اسکے برخلاف رامچندر کا اسلوب بیان بیکن سے کافی مشابہ معلوم ہوتا ھے جن کی شخصیت اپنے مضامین اور تحریروں میں ہمیشہ چھپی چھپی سی رہتی ھے بیکن کے مضامین اُن کے نظریات ، تصورات اور فلسفہ زندگی کی تصویریں ضرور پیش کرتے ھیں لیکن وہ موضوع کی خارجی حالت اور اسکے جزئیات کے تجزیے پر زیادہ توجہ صرف کرتے ھیں اور بیکن کے مضامین میں خارجیت زیادہ نظر آتی ھے ۔ اسکے برعکس ایڈیسن کے یہاں داخلیت کا پرتو دکھائی دیتا ھے اور ان کے مضامین مصنف کی شخصیت ، اس کے ذاتی میلانات

---

[1] « غیبت » فوائد الناظرین ج۳ ۔ ن۱۲ ص (۹۲)

اور شخصی تجربات کے مرقعے ہوتے ہیں۔ اسی طرح رامچندر کی مضمون نگاری میں خود مصنف کی شخصیت کے خدوخال نہیں ابھرتے اور نہ اُن کے مضامین میں قلبی تاثرات اور احساسات کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے رامچندر جس موضوع پر بحث کرتے ہیں اسکا ہر پہلو ان کی نگاہ کے سامنے ہوتا ہے اور اُن کی نظر تمام جزئیات کا احاطہ کرلیتی ہے لیکن رامچندر کے مضامین میں وہ لمحے بہت کم دکھائی دیتے ہیں جب ادیب اپنے احساسات اور اپنے فن کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے۔

اصطلاح «مضمون» | رامچندر کے طرز تحریر پر تبصرہ کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ انہوں نے اپنی ان تحریروں کے لئے کونسی اصطلاح استعمال کی ہے جو وقتاً فوقتاً «محب ہند» اور «فوائد الناظرین» میں شایع ہوا کرتی تھیں۔ رامچندر نے اپنی ان تحریروں کو «مضمون» ہی لکھا ہے۔ اُنہیں اسکا پورا پورا احساس تھا کہ وہ مضمون یعنی «ایسے» (Essay) لکھ رہے ہیں۔ اپنے تمام رسالوں میں انہوں نے ان مضامین کو کسی اور اصطلاح سے نامزد نہیں کیا۔ رامچندر نے اکثر مضامین کے عنوانات میں بھی یہی اصطلاح استعمال کی ہے۔ مثلاً مارچ سنه ۱۸۵۱ء کے «فوائد الناظرین» میں ایک اسے کا عنوان انہوں نے «مضمون» ہی رکھا ہے۔ اسی طرح جون سنه ۱۸۵۱ء کی ایک اور سرخی «بقیہ مضمون» ہے اور اسی طرح جولائی کے «فوائد الناظرین» میں «مضمون لایق توجہ ناظرین کے» یا اسی سال کی اگسٹ کے شمارے میں «ترجمہ ایک مضمون کا انگریزی سے جس کو ایک فاضل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے» یا نومبر سنه ۱۸۵۱ء میں «مضمون پیمائش» اس سلسلہ میں قابل غور ہیں۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ھے کہ رامچندر نے موضوع کے لئے «مضمون کا» لفظ استعمال کیا ہو گا لیکن «فوائدالناظرین» میں ان کی تحریروں کا مطالعہ کرنے سے اس خیال کی تردید ہوتی ھے اوز واضح ہوتا ھے کہ رامچندر نے لفظ مضمون انگریزی کے «ایسے» کیلئے استعمال کیا ھے جس سے ایک خاص صنف ادب مراد ھے۔

ذیل میں اُن کے مختلف مضامین سے مثالیں پیش کی جاتی ھیں۔ مکاری کی برائیوں پر ایک سیر حاصل مضمون لکھتے ہوئے آخر میں تحریر کرتے ھیں۔

«پس نتیجہ اس سارے مضمون کا یہ ھے کہ جس وقت کوئی شخص جانے کہ فلان نیکی میں مشہور ہونے سے فائدہ ہو گا تو اُسے لازم ھے کہ اس نیکی کا حقیقت میں استعمال کرنے لگے»۔[1]

یا اسی طرح حسد کی برائیوں کو بے نقاب کرتے ہوئے مضمون کے آخر میں رقم طراز ھیں۔

«نتیجہ اس تمام مضمون سے یہ نکلتا ھے کہ کسی شخص کو حسد نہ کرنا چاہئیے اور اس کو یہ سمجھنا چاہئے کہ حسد کرنے سے سوائے رنج اور گناہ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا»۔[2]

«محب ہند» اور «فوائدالناظرین» کے علاوہ «عجائبات روزگار» اور «تذکرۃ الکاملین» میں بھی رامچندر کے مضامین ملتے ھیں۔ ان ادب پاروں کو بھی وہ «مضمون» کی اصطلاح سے موسوم کرتے ھیں۔ رامچندر نے

---

[1] «فوائدالناظرین»۔ جنوری سنہ ۱۸٤۷ء ۔ ج ۲ ۔ ن ۱ ۔ ص (۳)

[2] «فوائدالناظرین»۔ مارچ سنہ ۱۸٤۷ء ۔ ج ۲ ۔ ن ٤ ۔ ص (۲٦)

« عجائبات روزگار » میں مضامین کے لئے ایک علحدہ حصہ رکھا ہے اور « مضامین پسند آگیں » کے عنوان سے ایک باب صرف مضامین ہی کے لئے مختص کر دیا ہے۔

رامچندر کے پاس صنف مضمون کا ایک واضح اور صحیح تصور موجود تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے موضوع کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے لیکن جب وہ اس لفظ کو بطور اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو ان کی مراد « ایسے » (Essay) یا مضمون سے ہوتی ہے۔ ذیل کے اقتباسات میں یہ لفظ اپنے وضعی اور اصطلاحی دونوں معنی میں برتا گیا ہے :-

« نتیجہ اس تمام مضمون کا یہ ہے کہ انسان حتی المقدور عالی حوصلہ ہونے میں کوشش کرے اگرچہ ہمیں اس مضمون پر بہت کچھ لکھنا تھا لیکن چونکہ ہمیں مضمون مرقومہ ذیل بھی ضرور درج کرنا تھا اس واسطے اتنے ہی مضون پر اکتفا کی گئی »[1]

رامچندر نے یہ اصطلاح نہایت وسیع معنی مین استعمال کی ہے۔ انہوں نے نہ صرف خالص ادبی موضوعات کے لئے اسے استعمال کیا ہے بلکہ ان کے یہاں تاریخی، جغرافیائی، کیمیائی اور دوسرے مضامین جو مساحت، نجوم، ہئیت، تصوف، علم الاجسام، اخلاق، سماجی اصلاح اور حکمت وغیرہ سے متعلق ہیں، ان کیلئے بھی یہی اصطلاح مستعمل ہوئی ہے۔

« مضمون لائق توجہ ناظرین کے » کے عنوان سے انہوں نے مختلف شماروں میں علمی مباحث اور سائنٹفک موضوعات پر مضامین لکھے

---

[1] « فوائد الناظرین » - اپریل سنہ ۱۸٤۷ ء ج ۲ - ن ۷ ص (٥٤)

ھیں اور ان سب کو «مضمون» ہی کے زیر عنوان رکھا ھے ۔ مثلاً جولائی سنہ ۱۸۵۱ء کے پرچے میں اسی عنوان کے تحت ستاروں کی خصوصیات سے بحث کرتے ہوئے «ستاروں کا بیان» عنوان قایم کیا ھے ۔ اسی سال کے آگسٹ کے شمارے میں علم ھئیت پر ، ستمبر سنہ ۱۸۵۱ء میں تصوف پر اور نومبر میں فلسفہ پر مضامین لکھے ھیں ۔

ماسٹر رامچندر کے مضامین کو ان کے موضوعات کے لحاظ سے ذیل کے پانچ عنوانات پر تقسیم کیا جاسکتا ھے :۔

(۱) علمی مضامین (۲) عام مضامین (۳) اخلاقی ، اصلاحی اور سماجی مضامین (٤) تاریخی مضامین (۵) سوانحی مضامین ۔

راقم الحروف کو «فوائد الناظرین» اور «محب ھند» کے جو شمارے دستیاب ہوسکے ھیں، اُن سے ماسٹر رامچندر کے مضامین کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ھے ۔ «فوائد الناظرین» اور «محب ھند» کے علاوہ «تذکرۃ الکاملین» اور «عجائبات روزگار» میں بھی جو مضامین ملتے ھیں اُن کو بھی شامل کرلیا گیا ھے اس طرح ہمیں ماسٹر رامچندر کے جملہ (٤٤۳) مضامین ملے ھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ھے ۔

(۱) علمی مضامین	..	.. ٤۷
(۲) سوانحی مضامین	..	.. ۲۰۷
(۳) عام مضامین	..	.. ۳۷
(٤) تاریخی مضامین	..	.. ۸۰
(۵) اخلاقی ، اصلاحی اور سماجی مضامین		۷۲
جملہ مضامین		٤٤۳

علمی مضامین | رامچندر نے اپنے مضامین کے ذریعہ سے ہندوستانی عوام کو مغربی علوم سے روشناس کرایا ہے۔ چنانچہ برج موہن دتاتریہ کیفی نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ اس دور کے تمام اخبار نویسوں اور مصنفین میں رامچندر کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے مغربی علوم و فنون کی نہایت سرگرمی کے ساتھ اشاعت کی۔ رامچندر کے مضامین مختلف سائنٹفک موضوعات پر مشتمل ہیں اور مشرقی علوم اور مغربی سائنس کے تقریباً تمام شعبوں پر محیط ہے۔ طبعیات، علم ادارت، کیمیاء، جغرافیہ نجوم و ہئیت، مساحت، روحانیات، حیوانیات، تصوف، فلسفہ، مسمرزم اور علم الابدان کے مختلف موضوعات کو ماسٹر رامچندر نے اپنے مضامین میں جگہ دی ہے۔

رامچندر کے علمی مضامین نہ صرف معلومات سے پر ہیں بلکہ یہ نہایت دلچسپ بھی ہیں اُن کی مضمون نگاری کا ایک بڑا کمال یہ بھی ہے کہ رامچندر ہر موضوع پر قلم اٹھا سکتے ہیں اور ہر مضمون کو نہایت دلکش رنگ میں بڑی جاذبیت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ یہ مضامین ایسے دلاویز اور دلچسپ ہوتے ہیں کہ پڑھنے والا ان کے مطالعے میں کھو جاتا ہے اور انہیں پڑھ کر اُسے ان علوم سے دلچسپی ہوجاتی ہے جن سے اُس نے کبھی کوئی شغف محسوس نہیں کیا تھا۔ علم ہئیت سے متعلق ایک مضمون کا اقتباس ذیل میں پیش کیا جاتا ہے جس سے رامچندر کی تفہیمی صلاحیت اور علمی مضامین میں ان کے طرز ادا کا اندازہ ہوسکتا ہے :-

« جس رات کو کہ آسمان صاف ہوتا ہے اور ہوا ٹھہری ہوتی ہے اور اس باعث سے سب ستارے آسمان کے بخوبی ہمیں نظر آتے ہیں اس رات کو ہمیں ایک اچھا سبق علم ہئیت میں حاصل ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ اس طور سے رات کو گنواروں اور گڈریوں زمانہ سلف
نے بڑی بڑی باتیں اس علم کی حاصل کیں ہیں۔ عیان ہے کہ اگر
کوئی شخص ہو جو اس علم سے بالکل واقفیت نہیں رکھتا ہو وہ
بھی اس کو یقین کر سکتا ہے۔ اکثر مشاہدہ کرنے اجرام سے
اس کو اسقدر تمیز ہو جائے گی کہ بڑے بڑے ستاروں کو وہ پہچاننے
لگے گا...... اگر اس محنت اور توجہ سے وہ ایک بڑے گروہ
ستاروں کے کو بھی شناخت کرے تو اسے ایک بڑی بات ہاتھ
لگے گی یعنی یہ کہ نسبت باشندوں زمین کے ستارے اصل میں ساکن
نہیں ہیں۔ بلکہ ظاہر میں اُن کو ایک مساوی حرکت مشرق سے
مغرب کی طرف مائل ہے اور یہ کہ وہ درستی سے عرصہ چوبیس
گھنٹوں میں ایک گردش گرد کرۂ زمین کے کرتے ہیں پس اگر اس
طریقے سے ہم ایک گروہ ستاروں کا کہ اس کو اصطلاح عام
ہئیت میں برج ستاروں کا کہتے ہیں ایک نقشہ بنا لیں یا فقط اسکی
صورت اپنے دل میں یاد رکھیں اور ایک کشادہ مقام پر جاکر
جنوب کی طرف مشاہدہ کریں تو ہم پائیں گے کہ یہ برج آسمان
میں نظر آتا ہے اور آہستہ آہستہ اونچا اٹھتا ہوا مشرق میں معلوم
ہوتا ہے اور راستہ مدور کو طے کرتا ہوا حرکت مساوی سے طرف
اپنے نقطہ نہایت بلندی کے صعود کرتا ہے»۔[1]

رامچندر کے علمی مضامین کا مطالعہ کرنے سے اُن کی وسیع معلومات
اور ان کی ہمہ گیر طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ مسائل کو بڑی عمدگی

---

[1] مضمون لائق توجہ ناظرین کے۔ «فوائد الناظرین»۔ جولائی سنہ ۱۸۵۱ء
ج ٦ - ن ٤ - ص (٩٧)

کے ساتھ پیش کرتے ہیں ، نہایت سلجھے ہوئے انداز میں وہ رفتہ رفتہ اصل موضوع کی طرف قارئین کی توجہ منعطف کرتے ہیں اور پھر ایک ایک نکتے کی تشریح کرتے ہیں اور خوبی یہ ہے کہ ناواقف شخص بھی ان کو پڑھ کر ان کا پورا مطلب سمجھ لیتا اور ان سے محظوظ ہوسکتا ہے ۔

سوانحی مضامین | ماسٹر رامچندر کی تحریروں میں سوانحی مضامین کی تعداد دوسرے مضامین سے زیادہ ہے یہ تعداد (۲۰۷) تک پہنچتی ہے ۔ ماسٹر رامچندر نے یونان کے بادشاہوں ، فلسفیوں ، فاضلوں اور ریاضی دانوں کے حالات اپنے مضامین میں بڑے دلچسپ انداز میں لکھے ہیں ۔ اسکے علاوہ انگریزی اور فارسی کے بعض مشہور ادیبوں اور شاعروں کے حالات پر بھی مضامین لکھے ہیں جیسے ملٹن ، شکسپیر ، بیکن ، جان لاک ، خواجہ حافظ ، فردوسی ، امیر خسرو ، مولانا روم اور سعدی وغیرہ ۔ ماسٹر رامچندر نے ہندوستان کے مشاہیر کے سوانحی مضامین کا بھی ایک سلسلہ شروع کیا تھا لیکن اس قسم کے مضامین اُن کے پاس زیادہ نہیں ملتے ۔ بعض سوانحی مضامین مختصر ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محض موضوع کے تنوع کی خاطر لکھے گئے ہیں ۔ سوانحی مضامین « فردوسی » ، « بو علی سینا » ، « ذکر شنکر اچارج سوامی » ، « حال اقلیدس مشہور ہندس یونانی کا » ، « حال سرو فصیح کا » ، « حال حکیم سقراط یونانی کا » اور « امیر خسرو المشہور بہ طوطی ہند » قابل ذکر ہیں جو نہایت پر لطف انداز میں لکھے گئے ہیں ۔

عام مضامین | ماسٹر رامچندر کے جو مضامین عام دلچسپی اور معلومات سے پر ہیں ، ان میں سے چند کی سرخیاں درج کی جاتی ہیں تاکہ اُن کی نوعیت کا اندازہ ہوسکے :-

«طریقہ اہل تبت کا اول منزل پہچاننے میں اُن کے مردوں کے»، «ذکر ایک عجیب برہمن کا جو ہوا میں معلق بیٹھا تھا»، «بیان اس ترکیب کا جس طرح چیونٹیاں آپس میں خبر پہنچاتی ھیں»، «بیان ھیولی»، «بیان چھلاوہ»، «بیان سیماب»، «میلہ ھردوار کا بیان»، «چھاپے کی ایجاد کا بیان»، «حال کمپنی باغ کا» اور «خواب» وغیرہ وغیرہ۔

رامچندر نے اپنی کتاب «عجائبات روزگار» میں ایسے مضامین کا ایک علحدہ باب رکھا ھے اور اسکو دو حصوں پر منقسم کیا ھے۔ پہلے حصے میں عمارات کا ذکر ھے مثلاً «حال عجیب مصر کے میناروں کا جنکو زبان یونانی میں پیریمیڈ «(Pyramids)» کہتے ھیں۔ حال قطب صاحب کے مینار کا»، «حال مقبرہ ھمایوں کا»، «حال جگنا تھ رائے جی کے مندر کا» حال جامع مسجد دھلی کا» اور «حال تماشہ گاہ روم کا» وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے حصے میں اُن عجیب و غریب جانوروں پر تبصرہ کیا گیا ھے جو اب نہیں پائے جاتے۔

یہ مضامین نہایت سلیس اور عام فہم انداز میں لکھے گئے ھیں ان کا پیرایۂ بیان نہایت ھی دلچسپ ھے۔ رامچندر نے ان عجیب و غریب عمارتوں اور جانوروں وغیرہ کا تذکرہ بڑی عمدگی سے کیا ھے۔ ان کی مضمون نگاری کی کامیابی کا راز اسی میں مضمر ھے کہ وہ دلچسپی کا دامن تھوڑی دیر کے لئے بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتے۔ انھوں نے نہ صرف اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے یہ مضامین لکھے ھیں بلکہ اسکا ایک مقصد یہ بھی معلوم ہوتا ھیکہ «فوائد الناظرین» کے مضامین میں تنوع پیدا کیا جائے تاکہ اس رسالے کے ناظرین موضوع اور مباحث کی یکسانیت سے اکتا نہ جائیں۔ ایک اور بات یہ ھے کہ «فوائد الناظرین» اور «محب ھند» کے پڑھنے والے

مختلف طبقات، نظریات اور مختلف مکاتب خیال سے تعلق رکھتے تھے اور ایک چھوٹے سے رسالے میں ان تمام لوگوں کے ذوق کی بہ یک وقت تکمیل اسی طرح ممکن تھی کہ ہر شمارے میں بدل بدل کر مضامین لکھے جائیں۔ کبھی اصلاحی اور اخلاقی اور کبھی عام موضوعات پر مضامین لکھے جائیں، کبھی تاریخی واقعات سناکر قارئین کی دلچسپی قائم رکھی جائے۔

تاریخی مضامین | اس سے پہلے ماسٹر رامچندر کے مختلف مضامین سے ان کے سیاسی آدرش، سماجی نظریات اور تاریخی شعور پر روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ «فوائد الناظرین» کے علاوہ تاریخی مضامین «محب ہند» اور «عجائبات روزگار» میں بھی موجود ہیں۔ «عجائبات روزگار» میں ان کا ایک علحدہ باب رکھا گیا ہے اور اس میں رامچندر کے دس منتخب مضامین شامل ہیں، جن میں «حال شہنشاہ سکندر کا»، «حال ٹیپو سلطان کا» «حال محمد اکبر خاں کا»، «بیان دخل پانے انگریزوں کا کلکتہ میں اور نواب سراج الدولہ سے لڑکر فتح کرنا تمام بنگالہ کا»، «مختصر حال سلطنت شاہ عالم بادشاہ کا» اور «حال داخل ہونا نادر شاہ کا ھندوستان میں اور قتل کروانا باشندوں دھلی کا» خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

«محب ہند» میں دوسرے موضوعات پر لکھے ہوئے مضامین کی تعداد کم اور تاریخی مضامین کی تعداد زیادہ ہے۔ اس رسالے میں ماسٹر رامچندر نے مغلیہ خاندان کی تاریخ کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ جس میں تاریخی ترتیب میں مغلیہ بادشاہوں کے حالات پر روشنی ڈالی گئی تھی اسکے علاوہ انھوں نے تاریخ یونان اور تاریخ انگلستان کے مختلف موضوعات پر بھی مضامین لکھے تھے۔

ماسٹر رامچندر کے تاریخی مضامین کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے واقعات کو اس قدر ڈرامائی انداز سے اور اس دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ آنکھوں کے سامنے اُنکی تصویر پھر جاتی ہے اور ایک ذمہ دار مورخ کی طرح رامچندر نے تاریخی اور سیاسی واقعات کو بلا کم و کاست بیان کردیا ہے ان مضامین سے رامچندر کی حب الوطنی اور قوم پرستی کا ہر جگہ اظہار ہوتا ہے۔ ان مضامین میں ایک اور بات یہ نظر آتی ہے کہ رامچندر نے جب کسی تاریخی واقعے کو بیان کیا ہے تو اسکا عمرانی اور سماجی پس منظر، اسکے وجوہات اور نتائج پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے جزئیات کو بھی کہیں نظر انداز نہیں کیا ہے اور اُن کے بیان میں بڑی صداقت اور ایمانداری سے کام لیا ہے۔ ان مختلف موضوعات پر لکھے ہوئے مضامین کا مطالعہ کرنے سے نہ صرف رامچندر کی وسیع معلومات اور علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ان کے زور قلم اور انداز بیان کی رنگا رنگی اور ہمہ گیری کی داد بھی دینی پڑتی ہے۔

رامچندر کے ایک تاریخی مضمون کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے اُن کے ڈرامائی طرز بیان کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ رامچندر تاریخی اور واقعاتی مضامین میں کہیں کہیں تمثیلی انداز بھی اختیار کرلیتے ہیں:۔

« جب بادشاہ نے یہ بات سنی تو پھر غلام قادر کو اپنے پاس بلوایا اور کہا کہ « تو نے یہ کیا بلوہ مچا رکھا ہے » اس نے کچھ جواب نہ دیا اور تخت کے پاس جاکر بادشاہ سے یہ عرض کی کہ « آپ لائق بادشاہی کے نہیں ہیں تخت پر سے اُتر جائیے » پھر بادشاہ نے یہ جواب دیا کہ « برائے رسول ہمیں تخت پر سے نہ اتار اس میں ہماری بڑی بے عزتی ہے بلکہ تو ہمیں مار ڈال » غلام

قادر نے یہ جواب سن کر تلوار میان سے نکالی لیکن ناظر قلعہ کے نے بیچ بچاؤ کروایا اور حضور کو سمجھایا کہ آپ تخت پر سے اوتر جائیے ورنہ یہ بڑی بے عزتی کرئیگا۔ بادشاہ اس وقت کہ ان کا کوئی مددگار نہیں تھا اور سب جہنمی نمک حرام ناظر وغیرہ غلام قادر سے مل گئے تھے تخت پر سے اتر کر محل میں چلے گئے ....

تب غلام قادر نے حضرت شاہ عالم کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ آپ زر و مال اور جواہرات بتلا دیجئے۔ ورنہ ہم آپ کی دونوں آنکھیں نکال ڈالیں گے بادشاہ بہت مضطر ہوکر محل میں گئے اور بہت سا جواہرات لا کر حاضر کیا غلام قادر نے کہا «اور لاؤ تم پاس اور ھے» بادشاہ نے جواب دیا کہ «اب میرے پاس اور کچھ نہیں ھے» تب غلام قادر غصہ میں آن کر بادشاہ کو فرش پر گراکر اُن کی چھاتی پر سوار ہوکر اپنی کٹار سے حضرت کی دونوں آنکھیں نکال ڈالیں»۔[1]

اخلاقی، اصلاحی اور سماجی مضامین ان مضامین کی تعداد جیسا کہ بتایا جاچکا ھے تقریباً (۷۲) ھے۔ یہ مضامین ماسٹر رامچندر کی قومی دلسوزی وطن پرستی اور انسان دوستی کے مظہر ھیں۔ اردو نثر میں رامچندر کے مضامین وہ اولین تحریریں ھیں جن میں قومیت کے جذبات اور اصلاح پسندی کا رجحان اتنا گہرا اور نمایاں ھے۔ ان مضامین سے ماسٹر رامچندر کے تہذیبی اور سماجی شعور کا بھی پتہ چلتا ھے اور یہ معلوم ہوتا ھے کہ انہیں

---

[1] مختصر حال شاہ عالم بادشاہ کا «فوائد الناظرین»۔ فبروری سنہ ۱۸۴۷ء ج ۲۔ ن ۱۔ ص (۹)

اسکا پورا پورا احساس تھا کہ ہئیت اجتماعی کی ترتیب میں کونسے عناصر اور عوامل کارفرما ہیں اور ان کی اصلاح کی کیا صورت ہوسکتی ہے ، اور یہ کہ تمدنی زندگی کے صحت مند نشو و نما کے لئے اخلاقی قدروں کی کیا اہمیت ہے اور اخلاقی تنزل قومی ترقی کے ارتقاء کی رفتار کو کن زاویوں سے متاثر کرسکتا ہے - اپنے اکثر سماجی مضامین میں ماسٹر رامچندر نے مشرق کی تمدنی پستی کا مغرب کی تہذیبی ترقی سے مقابلہ کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اقوام کی تقدیر کے مالک افراد ہیں اور افراد کے عادات و اطوار اور ان کی اخلاقی حالت ، ان کی زندگی پر ایک دیرپا نقش چھوڑ جاتی ہے اس لئے جو لوگ قوم کے خیر خواہ ہیں اور سماج سدھار کے خواہش مند ہیں اُن کی پہلی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ وہ ہندوستانیوں کی بری عادتوں ، اُن کے فرسودہ رسم و رواج اور غلط خیالات کی اصلاح کریں - اس سلسلے میں رامچندر کے مضامین « سستی کے بیان میں » ، « چھوٹی عمر میں شادی کرنے کے نقصانات » ، « حال تربیت لڑکیوں کا » ، « اچھی تربیت کے فوائد کے بیان میں » اور « اوقات کے صرف کے بیان میں » خاص طور پر قابل ذکر ہیں - اس آخری مضمون میں ماسٹر رامچندر یہ بتاتے ہیں کہ یورپی اقوام کی ترقی کا راز یہ ہے کہ وہ وقت کو کبھی ضائع نہیں کرتے - اس مضمون میں مغرب اور مشرق کا موازنہ کرتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں :-

« اگر کوئی دریافت کیا چاہے کہ اوقات کو اچھی طرح سے صرف کرنے سے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں اُسے لازم ہے کہ قوم انگریز اور اہل فرنگ پر نظر کرے ...... یہ دولت اور حشمت اور عقل اور علم اُنہیں کیونکر حاصل ہوا اسکا باعث یہی ہے کہ ہمیشہ

ہر بات پر غور کرتے ھیں اور اپنے وقت کو مختلف کاموں کے واسطے تقسیم کرتے ھیں برخلاف اسکے دیکھو حال اکثر رئیسوں اس ولایت یعنی ھندوستان کا کہ اپنے اوقات کو واہیات میں صرف کرتے ھیں اور انکا حال ملاحظہ ہو تو نقصان کثیر وقت کے ضائع کرنے کے معلوم ہو جائیں گے»۔[1]

راجندر کا اسلوب بیان اور اردو نثر کے ارتقاء میں انکا مقام

راچندر کا طرز تحریر عام فہم، سادہ اور رواں ھے۔ عربی اور فارسی کی مشکل ترکیبیں انکے مضامین میں کہیں نظر نہیں آتیں اور نہ ہی راچندر نے ثقیل اور غیر مانوس مرکبات کا استعمال جائز رکھا ھے۔ اُن کی تحریریں اسلوب کی الجھنوں اور مطالب کی پیچیدگیوں سے بالکل پاک ھیں۔ سادگی راچندر کے طرز ادا کی سب سے نمایاں خصوصیت ھے لیکن اس سے ان کا اسلوب بیان کبھی سپاٹ اور بے کیف نہیں ہونے پاتا۔ راچندر کی تحریروں میں ایک دھیمی سی موسیقیت اور ایک رکا رکا سا نغمہ ہوتا ھے اور انکا پیرایہ بیان اپنی سلاست کے باوجود بڑا جاندار، رواں دلنشین اور پراثر معلوم ہوتا ھے۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:۔

«اگر ایام خورد سالی کو کھیل کود میں ضائع کریں اور جوانی میں اپنے اندر احتیاج علم کی پاکر اسکا حاصل کرنا چاہئیں تو ہم فی الواقع اس کسان سے مشابہ ھیں جو فصل پر یہ بات یاد کرتا ھے کہ میں نے بیج بونے کے وقت کو ضائع کیا ھے اور جس وقت کہ اور لوگ فصل کاٹ کر ذخیرہ جمع کرتے ھیں اس وقت وہ بیج بونے چاہتا ھے شاید اس کے

[1] «فوائد الناظرین» - جنوری سنہ ۱۸۴۷ء - ج ۲ - ن ۱ - ص (۵)

کھیت میں کچھ سبزی نمود کر آئے اور کچھ عرصے کے لئے اناج بڑھنے بھی لگے لیکن افسوس ھے کہ اناج پک جانے سے پہلے موسم سردی کا نمود ار ہوجاتا ھے اور پالا اور سرد ہوا اس کو خراب اور برباد کر ڈالتی ھے ایسا ہی حال اُس شخص کا ھے جو چھوٹی عمر میں خواب غفلت میں پڑا رہتا ھے اور تحصیل علم جوانی میں شروع کرتا ھے »۔[1]

ایک اور مضمون « موت » میں انسانی زندگی کی ناپائیداری اور موت کے اٹل اور ناگزیر ہونے کے متعلق لکھتے ھیں :۔

« ان مشاہدات سے صاف ثابت ہوتا ھے کہ ایک روز ہم اور جتنے ذی حیات ھیں اس دنیا فانی سے راہ رو ملک بقا ہونگے اور جتنے کہ عزیز اور اقربا ھیں سب چھوٹ جائیں گے ۔ لفظ پیدائش کے ساتھ میں لفظ فنا کا چسپان ھے ۔ ہم دیکھتے ھیں کہ ایک ضعیف ماں ایک بچے کی ، بستر مرگ پر پڑی ھے اور بچہ اسکا ، اخیر بوسہ اس کے لبوں کا ، جن لبوں کی سرخی بالکل جاتی رہی ھے لے رہا ھے اُس وقت یہ خیال آتا ھے کہ یہ مسافر ملک عدم بھی ایک روز اتنے ہی خورد سال ، اپنے ماں باپ کے کنار نازنین میں پلے ہونگے ۔ اور یہ بچہ بھی عمر طبعی کو پہنچ کر اگر جیتا رہا اسی طرح اس جہاں سے گذر جائے گا »۔[2]

راجچندر کے انداز نگارش میں عربی کے موٹے موٹے الفاظ یا فارسی کی ادق لغات سے کہیں بے رنگی اور گرانی پیدا نہیں ہونے پاتی ۔

---

[1] « عجائبات روزگار » ۔ « درباب تحصیل علم کے » ص (۱۰۸)

[2] « فوائد الناظرین » ۔ مئی سنہ ۱۸۵۰ء ۔ ج ۵ ۔ ن ۱۱ ۔ ص (۸۵)

تاہم رامچندر کا طرز تحریر قدیم انشا پردازی کے رنگ میں ڈوبا ہوا ھے۔ یعنی انہوں نے الفاظ اور محاورات، جملوں کی ساخت اور ان کی ترتیب قدیم انداز پر رکھی ھے اور یہ اُس زمانے کے مذاق کا تقاضہ بھی تھا جس سے دامن بچانا ممکن نہ تھا۔ رامچندر کی تحریریں غدر سے پہلے کی نثر نگاری کی نمائندگی کرتی ھیں، جب زبان کی نشو و نما اور انداز تحریر ایک خاص سانچے میں ڈھل رہے تھے۔ اور نثر نے ابھی اس منزل پر قدم نہیں رکھا تھا، جو اُسکے نکھار اور شباب کی منزل سمجھی جاتی ھے۔ اس لئے رامچندر کے مضامین میں وہ الفاظ بھی بکثرت پائے جاتے ھیں جو آج بالکل متروک ہوچکے ھیں۔ مثلاً جگہ کے بجائے جائے۔ پھر کے بجائے «پس» بعد کے بجائے «اما بعد» آپہنچا کے بجائے «آن پہنچا» میں (حرف) کے بجائے «بینچ» بے شک کے بجائے «پس البتہ» بے توجہی کے بجائے «بے توجگی» تحقیق کے بجائے «بالتحقیق» اور یا کے بجائے «یا کہ» و غیرہ و غیرہ۔ کہیں کہیں رامچندر نے ھندی کے بھی کچھ نئے الفاظ استعمال کئے ھیں مثلاً «ڈالے» کے بجائے «ڈلاوے»، «تفریح» کے بجائے «بہلاوٹ»۔

اردو نثر اس زمانے میں جس ڈھرے پر اٹھائی جارہی تھی اسکے بہت سے نمونے اب ہم کو دستیاب نہیں ہوسکتے۔ رامچندر کی تحریریں اُس دور کی نثر کی نمایندگی کرتی ھیں جو فورٹ ولیم کالج اور سرسید کے دور کا درمیانی عہد تھا۔ سرسید سے پہلے نثر لکھنے کا جو انداز تھا وہ اُنکے زمانے میں متروک ہوتا جارہا تھا، پھر بھی خود سرسید کی ابتدائی زمانے کی تحریروں اور بعد کی تحریروں میں کافی فرق نظر آتا ھے۔ لیکن سرسید سے عین پہلے کے لکھنے والوں کی تحریروں میں جو سب سے زیادہ رچا اور سلجھا ہوا اسلوب ہماری نثر میں موجود ھے وہ غالباً ماسٹر رامچندر ہی کا ھے۔

رامچندر کی نثر نگاری کا زمانہ دراصل اردو کی پرانی طرز کی مقفی اور مسجع نثر اور سرسید اور حالی کی جدید نثر کے درمیانی مرحلے سے تعلق رکھتا ھے۔ اس زمانے کی نثر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ جملوں کی ساخت میں عموماً عربی کے نمونوں پر چل رہی تھی، چنانچہ ماسٹر رامچندر کی تحریریں اسی انداز کی نشان دہی کرتی ھیں اسکا بڑا سبب یہ معلوم ہوتا ھے کہ اس زمانے میں یا اس سے کچھ پہلے اردو نثر میں جو کتابیں مقبولیت کی سند پا چکی تھیں وہ زیادہ تر مذھبی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں جیسے شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز کے قرآن کے ترجمے۔ اردو نثر میں مذھبی رنگ کی آمیزش قدیم زمانے سے چلی آتی تھی۔ اردو ادب کے ابتدائی کارناموں میں تو یہ جھلک اور زیادہ نمایاں ھے۔ اس طرح یہ تصانیف چونکہ مذہب سے کسی نہ کسی انداز میں متاثر تھیں اس لئے ان میں عربی زبان اور طرز نگارش کا پرتو بھی شامل تھا۔ رامچندر کے کارنامے اس پس منظر میں ابھرے تھے جہاں ایک طرف فورٹ ولیم کالج کے نثری نمونے تھے تو دوسری طرف شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز کے ترجمے ادب کی فضاء پر چھائے ہوئے تھے۔ (اور ان دونوں رجحانات کا عکس رامچندر کی تحریروں میں نظر آتا ھے) یہ ترجمے عربی نثر نگاری کی روش سے بہت زیادہ متاثر تھے، اور ان سے رامچندر کا اثر پذیر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی اسلئے کہ اُس وقت یہ طرز ادیبوں میں پسندیدہ اور معیاری سمجھا جاتا تھا۔ ایک اور بات یہ تھی کہ یہ انداز بیان فارسی کی مقفی اور مسجع نثر کے مقابلے میں کافی آسان اور زیادہ توجہ طلب نہ تھا۔

فورٹ ولیم کالج کے ادیبوں نے روایتی عبارت آرائی کو ترک کرکے نثر کی سادگی اور اسلوب کے براہ راست انداز پر زور دیا اور

اُن کے اس اجتہاد نے اردو نثر کو ایک نئے موڑ سے روشناس کیا تھا آگے
چل کر فورٹ ولیم کالج کے اس نئے اسلوب نے علمی تحریروں کی راہ
ہموار کی۔ اور جب اردو ادب میں مقصدیت ، سماجی رجحانات اور وقت
کی دھڑکنوں کو سمونے کا میلان نمایاں ہوا تو نثر کی یہ سلاست اور فطری
انداز بہت کام آیا ورنہ مقفی اور مسجع عبارتوں اور لفظی بازی گری میں
اتنی قوت اظہار نہیں تھی کہ وہ صحافت کے مطالبات اور علمی ضروریات
کی تکمیل کر سکتی۔ ماسٹر رامچندر کا طرز بیان فورٹ ولیم کالج کے کسی
ادیب کی یاد نہیں دلاتا ، انہوں نے ان نثر نگاروں سے اپنے متاثر ہونے کا
بھی کبھی ذکر نہیں کیا ھے اس سلسلے میں وہ انگریزی کے مضمون نگاروں
سے فیض حاصل کرنے کا بار بار اعتراف کرتے ھیں ، اسکے باوجود
رامچندر کے ادبی کارناموں میں نثر کے وہی سانچے ، وہی توازن اور وہی
اٹھان دکھائی دیتی ھے جو فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کی تخلیقات میں
نظر آتی ھے۔ اس طرح غیر شعوری طور پر ماسٹر رامچندر اسی منزل کی
طرف بڑھ رہے تھے جسکی نشان دہی ان ادیبوں نے کی تھی لیکن ایک
خصوصیت جو رامچندر کی تحریروں کو فورٹ ولیم کالج کی نثری خدمات
سے ممتاز بنا دیتی ھے وہ یہ ھے کہ ان مصنفین کے اکثر ادبی کارناموں میں
فسانے کا عنصر زیادہ تھا اور اس لئے یہ کارنامے تخئیلی نوعیت کے تھے
رامچندر کی کتابیں اسکے برخلاف بھرپور واقعیت کی حامل تھیں ان کے
موضوعات اسی آب و گل کی دنیا سے متعلق تھے اس لئے ان میں عقلیت
حقیقت نگاری ، مادیت اور ارضیت کا جزو شامل ہو گیا تھا۔ ایک اور
بات یہ تھی کہ رامچندر کی نثر مختلف اور متنوع موضوعات پر محیط تھی۔
فلسفہ ، جغرافیہ ، سائنس اور تاریخ کے جو علمی مباحث اُن کی نثر میں
ملتے ھیں وہ اردو ادب کیلئے ایک نئی دین تھی۔ ماسٹر رامچندر اردو کے

وہ پہلے ادیب ھیں جن کی نثر میں اتنی جامعیت ، وسعت اور ہمہ گیری پائی جاتی ھے -

ماسٹر رامچندر کی نثر میں نئی زندگی کی آہٹیں سنائی دیتی ھیں اور مشینی دور کی آمد کا احساس ملتا ھے - اُن کی نثر انشا پردازی کے تکلفات سے بری ھے اور مقفی اور مسجع عبارت آرائی اور لفظی شعبدہ بازی کے مظاہروں سے بھی دور نظر آتی ھے - رامچندر کی نثر میں جو سلاست جو براہ راست انداز اور جو سادگی ھے اسکے پیچھے یہ احساس کام کر رہا تھا کہ سماجی زندگی کی گہما گہمی اور کشمکش تیز ہوگئی ھے اور حیات کو وقت کے ترنم پر رقص کرنا ھے اب نثر کو سنگھار کی اتنی حاجت نہیں جتنی جاندار اور توانا قدروں کو جذب کر لینے کی ضرورت ھے -

رامچندر کی عبارتوں میں اپنے عہد کی نثر کی بہت سی خصوصیات موجود ھیں ان کی تحریروں میں موصوف سے پہلے صفت لانے کا طریقہ عام نظر آتا ھے یعنی وہ صفت اور موصوف میں تقدیم و تاخیر کر کے حرف اضافت کو حذف کر دیتے ھیں - یا مضاف اور مضاف الیہ کے بعد حرف اضافت اور مفعول سے پہلے فعل استعمال کرتے ھیں - ذیل میں ان خصوصیات کی بعض مثالیں درج کی جاتی ھیں :-

(۱) « بہت سے پرچوں انگریزی میں ہم نے دیکھا ھے کہ جو بات واسطے رفاہ عام کے ھے اسے وہ فوراً چھاپ دیتے ھیں » -[۱]

(۲) حکام کی ضرورت اس واسطے ھے کہ حفاظت خلقت کی اُن سے متصور ہو ..... یہ بات غلط ھے کہ خدا کی طرف سے

---

[۱] « فوائد الناظرین » جنوری سنہ ۱۸٤۷ء - ج ۲ - ن ۱ - ص (٦)

« حکام مقرر ہیں اور ان کو اللہ تعالی نے حکام ہمارا بنایا ہے »۔[١]

(٣) « سستی مانع ہے واسطے تحصیل کسی خاص قسم کے علم اور فن اور ہنر کے اور جو شخص سست ہوگا ممکن نہیں کہ وہ کوئی علم تحصیل کرے »۔[٢]

(٤) « بعض لوگ حقیقت میں لچے اور شہدے ہوتے ہیں لیکن ظاہر میں وہ اپنے تئیں نیک اور خدا پرست کہتے ہیں اور واسطے قائم رکھنے اس جھوٹے بھیس کے انھیں ہزار باتیں اپنے دل سے تصنیف کرنی پڑتی ہیں »۔[٣]

(٥) « جو آدمی سست ہوگا ظاہر ہے کہ وہ بے روزگار ہوگا پس اپنی اوقات گذاری کے واسطے یا تو وہ گداگری اختیار کرے گا اور یا چوری کرے گا اور بباعث کرنے ایسے کام کے وہ گرفتار انواع انواع کی صعوبتوں کا ہوگا اور لعنت و ملامت ساری خلقت کی اٹھائے گا »۔[٤]

بعض وقت جملوں میں دو دو تین تین حروف مغیرہ ایک ساتھ آجاتے ہیں :۔

---

[١] « ضرورت حکام کے بیان میں » ۔ « فوائد الناظرین » مئی سنہ ١٨٤٨ء ج ٣ ۔ ن ٩ ۔ ص (٧١)

[٢] « سستی کے بیان میں » ۔ « فوائد الناظرین » جنوری سنہ ١٨٤٧ء ج ٢ ۔ ن ١ ۔ ص (٢)

[٣] « مکاری کے بیان میں » ۔ « فوائد الناظرین » جنوری سنہ ١٨٤٧ء ج ٢ ۔ ن ١ ۔ ص (٤)

[٤] « سستی کے بیان میں » ۔ « فوائد الناظرین » ۔ جنوری سنہ ١٧٤٨ء ج ٢ ۔ ن ١ ۔ ص (٣)

« بھلا ہم سوال کرتے ھیں کہ اس بے توجگی سے علم اور عقل نہیں آتی ھے یہی سبب ھے کہ ہم اکثر لڑکوں یہاں کے کو آوارہ اور بے عقل دیکھتے ھیں »۔[1]

یا

« ایک گروہ غلاموں کے میں سے آزاد منش آدمی پیدا ہونا ایک امر سہل نہیں »۔[2]

رامچندر کی تحریروں میں « ی » اور « ن » کا اضافہ کر کے جمع بنانے کے قاعدے بکثرت ملتے ھیں حتی کہ جسطرح « دکان » سے « دکانیں »، « کتاب » سے « کتابیں » اور « کمان » سے « کمانیں » بناتے ھیں اسی طرح وہ « تعلیم » سے « تعلیمیں »، « خرابی » سے « خرابیئیں »، « خوبی » سے « خوبیئیں » اور « نیکی » سے « نیکیئیں » بھی بنالیتے ھیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح ہوتا ھے ان کے ایک مضمون کی سرخی ھے :—

« ان دنوں ھندوستان میں اھل علم اور فہم کون کون پیشے عمدہ اور فایدہ بخش اختیار کر سکتے ھیں اور ہر ایک سے کامیابی کے واسطے کیا کیا تعلیمیں اور پھر کیسی محنت درکار ھے »۔[3]

ایک اور مضمون میں لکھتے ھیں :—

« وہ برے شغل واسطے اپنی بھلاوٹ کے اختیار کرتا ھے اور اس ترکیب سے اس پر خرابیئیں واقع ہوتی ھیں »۔[4]

---

[1] « تربیت کرنا بچوں کا ابتدائے عمر میں »۔ « فوائدالناظرین » جون سنہ ۱۸٤۷ء ۔ ج ۲ ۔ ن ۱ ۔ ص (۸۲)

[2] « ترجمہ مضمون چھٹی »۔ « فوائد الناظرین »۔ آگسٹ سنہ ۱۸٤۷ء ج ۲ ۔ ن ۱ ۔ ص (۱۰٤)

[3] « فوایدالناظرین »۔ مارچ سنہ ۱۸۵۱ء ۔ ج ٦ ۔ ن ٦ ۔ ص (٤۱)

[4] « سبق کے بیان میں »۔ « فوائدالناظرین »۔ جنوری سنہ ۱۸٤۷ء ۔ ج ۲ ۔ ن ۱ ۔ ص (۲)

اسی طرح دوسری جگہ تحریر کرتے ھیں:۔

«اس جہاں میں ہزارہا رنج اور خوشی خدا نے پیدا کی ھیں اور اللہ تعالی نے جو بڑا رحیم ھے بعض خو بیئیں بھی انسان میں بخشی ھیں»۔[1]

ایک اور مضمون کا عنوان «خوش آیند اور قابل ادب کی نیکیئیں» ھے۔

رامچندر کی زبان اور ان کے انداز بیان پر تبصرہ ختم کرنے سے پہلے ان کے طرز تحریر کی ایک اور خصوصیت کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ھے اور وہ یہ ھے کہ تمام مضامین میں رامچندر کی زبان سریع الفہم، سادہ، رواں اور عربی اور فارسی کے الفاظ اور ترکیبوں سے مبرا ہوتی ھے لیکن خاص خاص موقعوں پر اس رنگ میں تبدیلی بھی نظر آتی ھے۔

رامچندر کی تحریروں میں موقع و محل کے لحاظ سے فرق دکھائی دیتا ھے۔ جہاں حقائق کو سمجھانا ہوتا ھے یا علمی مباحث پیش کئے جاتے ھیں وہاں آسان عبارت لکھتے جاتے ھیں اور جہاں کسی یادگار یا اہم موقع کا حال لکھنا ہوتا ھے تو مسجع اور مقفی نثر استعمال کرتے ھیں۔ مثلاً جب دربار یا کسی بادشاہ کا حال لکھتے ھیں یا کسی مخصوص شاہی تقریب کا مرقع کھینچتے ھیں تو دربار اور بادشاہ کے شایان شان مقفی و مسجع اور سنواری ہوی نثر لکھتے ھیں۔ چنانچہ مرزا محمد شاہ رخ بہادر کی وفات کا اس طرح اعلان کیا ھے:۔

«خروش جوش سپہر بے مہر سے کہ یہ نیلی چہر پر قہر بر بام اور شام کو عجیب طرح سے گوش ہوش ہر خرد نیوش کو سیہ پوش

---

[1] «ہمدردی اور مروت کے بیان میں»۔ «فوائد الناظرین» ۔ مئی سنہ ۱۸۴۷ء ج ۲۔ ن ۹۔ ص (۶۷)

کرکر بیچ کانوں اندوہ وغم کے ساتھ نائرہ عقوبت اوو صعوبت کے مانند اسپندکے جلاتا ھے درنیولا سانحہ عجیب و غریب یہ پرجفاد رپیش لایا کہ سرو جوئے بار گلستاں خلافت و تذرو کوہسار استقبال پہ ستم کرکر پژمردہ کیا یعنی بتاریخ ۲۷ - مارچ سنہ ۱۸۴۷ء کو شاہزادہ آفاق مرزا محمد شاہ رخ بہادر نے اس جہاں بے ثبات کو وداع کرکر متوجہ عالم باقی کے ہوئے »۔[1]

دوسرے موقع پر ایک اور سماں اس طرح پیش کرتے ھیں :-

« مرد اور رنڈیاں پہلو بہ پہلوخوش رفتار جیسے جنت میں حور وغلمان نمودار۔ دکان نان بائیوں کی نعمتوں سے بھری، فریفتہ ہوا جسکی نظر اس پر پڑی ۔ لوگوں کی بول چال و دیدار حسن و جمال مجھکو خواب و خیال معلوم ہوتا ورنہ ، بیداری میں ایسی کیفیت دیکھنا محال تھا۔ فی الواقعی جو دیکھا خواب تھا کہ اب اسکا دیکھنا میسر نہیں آتا بلکہ جس سے وہ حال کہتا ہوں، اعتبار نہیں لاتا۔ اسطرح سب کام دنیا کے خیال، لذات اسکی سریع الانتقال ،کوئی کیفیت اس کی قرار پر نہیں رہتی ،کوئی لذت اعتبار نہیں رکھتی » ۔[2]

---

[1] « خبر جاں گداز وفات مرشدزادہ آفاق مرزا محمد شاہ رخ بہادر » « فوائد الناظرین » - ایریل ۱۸۴۷ء ج۲ - ن۲ -ص (۴۷)

[2] « سیر یوسف خاں کی انگلستان میں » - « فوائد الناظرین » آگسٹ ۱۸۴۸ء - ج۳ - ن۱۷ - ص (۱۷۲)

حصہ (ب)

منتخب مضامین

(۱)

تاریخی مضامین

(۱) حال شہنشاہ سکندر ۔

(۲) حال داخل ہونے نادر شاہ کا ہندوستان میں اور قتل کروانا باشندگان دہلی کا۔

(۳) ذکر شہنشاہ نیرو۔

(٤) تجویز مسٹر مکالے صاحب کی درباب تربیت کرنے رعایا کے کچہری پارلیمنٹ میں ۔

حال شہنشاہ سکندر

سکندر بیٹا بادشاہ فیلقوس کا تھا اور بادشاہ فیلقوس بادشاہ مقدونیا
کا جوکہ یونان میں واقع ھے تھا - فیلقوس نے واسطے تربیت اپنے بیٹے کے
حکیم ارسطو کو مقرر کیا تھا اور اس بڑے فاضل نے اسکو ایسی تربیت کی
کہ وہ اظہر من الشمس ھے - سکندر بعد وفات اپنے باپ کے بیس (۲۰) برس
کی عمر میں تین سو چھتیس (۳۳۶) برس پہلے پیدا ہوا حضرت عیسی کے
یعنی آج تک دو هزار ایکسو تراسی (۲۱۸۳) برس گذرتے ھیں کہ تخت
مقدونیا پر بیٹھا اور اسنے ایسے ایسے کار بہادری کئے اور بڑی بڑی
مہمیں کیں ھیں کہ حال مفصل ان کا میری تمام کتاب میں بھی گنجائش نہیں کرے
لہذا تھوڑا سا حال مختصراً لکھا جاتا ھے - واضح ہو کہ جب سکندر بیس برس
کی عمر میں تخت پر بیٹھا تو اهل یونان یہ جان کر کہ ایک لڑکا تخت نشین
ہوا ھے سرکشی کرنے لگے لیکن سکندر نے ساتھ کمال شجاعت کے
اهل یونان کو خوب سزا دی اور اپنا مطیع کیا یہاں تک کہ سب لوگ اُس سے
ڈرنے لگے بعد اس کے تین سو چونتیس (۳۳٤) برس پہلے پیدائش
حضرت عیسی کے بائیس برس (۲۲) کی عمر میں اسنے فتح کرنے سلطنت
ایران کا ارادہ کیا اور فوج لیکر چلا اور جب اسنے ارادہ پار کرنے دریاے
گرینی کس کا کیا تو ایرانی فوج نے اسے سامنے سے اترنے سے روکا لیکن
اسنے اپنی شجاعت سے فوج ایرانی کو وہاں سے شکست دی اور دریا کو
پار کیا اس عرصے میں موسم گرمی کا نمودار ہوا اور سکندر نے کچھ اپنی فوج
کو رخصت واسطے گھر جانے کے دی بعد تھوڑے دن کے جب
اسکی فوج گھر سے واپس آئی اسنے ادھر اُدھر کے ملک کیبی دوشیا

پغیلی گوینا وغیرہ فتح کئے اور سامان دوسری لڑائی کا اهل ایران سے کیا۔
دارا بادشاہ ایران کا ایک لاکھ پچیس ہزار فوج لیکر مقام اسس پر مقابل
سکندر کے آیا اور فوج سکندر کی دارا کی فوج سے تھا آئی بھی نہ تھی
دونوں میں اس مقام پر بڑی بھاری لڑائی ہوی اور بہت سا کشت و خون
ہوا بہت دیر تک یہ شک رہا کہ دیکھا چاہیئے فتح کس کو ہو
لیکن اخیر کو سکندر نے دارا کو شکست دی اور دارا مع فوج اپنی کے
اپنے دارالخلافہ کو میدان جنگ میں سے بھاگ گیا اور تواریخ سے ظاہر
ہوتا ہیکہ اس لڑائی میں ایک لاکھ دس ہزار آدمی ایرانی فوج میں سے
مارے گئے دارا تو بچ کر بھاگ گیا لیکن اسکی ماں اور اسکی جورو اور
تمام عیال و اطفال اسکے سکندر کے ہاتھ قیدی ہوئے۔ اس بڑی عظیم
فتح نے اور ریاستوں کو جو کہ آس پاس تھیں ڈرا دیا سبھوں نے تابعداری
سکندر کی اختیار کی بعد اس فتح کے سکندر طرف ترکستان کے متوجہ ہوا
اور ملک شام کو فتح کر کے واسطے زیر کرنے ملک مصر کے جاکر اُس کو
اپنے قبضے میں لایا اور دریاے نیل جہاں کہ سمندر سے ملتا ھے ایک شہر
بہت عمدہ اور شاندار تعمیر کروایا جو کہ اب تک آباد ھے اور اس شہر کو
شہر سکندریہ کہتے ھیں جب کہ سکندر مصر میں تھا کہ اسکو یہ خبر پہنچی
کہ دارا شاہ ایران نے پھر واسطے لڑائی کے بہت بڑی فوجیں تیار کی ھیں۔
یہ خبر سنتے ہی یہ مصر سے پھرا اور دریائے فرات کو پار کر کے الجزیرہ
میں جو کہ درمیان دریائے ٹگرس اور فرات کے واقع ھے آیا اور اس وقت
میں دارا بھی اپنی فوج لیکر آربلا سے چالیس میل آگے بڑھ کے بڑے بڑے
میدانوں میں آن پڑا اور سکندر بھی الجزیرہ سے پانچ دن کی راہ طے کر کے
مقابل اپنے دشمن کے آگیا اور ایک مورخ بیان کرتا ہیکہ دارا کی فوج
قریب دس لاکھ کے تھی اور سکندر کی قریب سنتالیس (۴۷) ہزار

کے سکندر نے باوجود اس قلیل فوج کے نہایت دلیری اور مردانگی عظیم سے قلب میں فوج دارا کے جہاں کہ جھنڈا بادشاہی لہرا رہا تھا گھس کر حملہ کیا اور لڑائی طرفین سے شروع ہوگئی اور سکندر بوقت لڑائی کے اس فکر میں تھا کہ کسی طرح خاص دارا کو قید کروں اتنے میں یہ تو اس فکر میں لگ رہا تھا کہ قریب تھا کہ فوج سکندر کی شکست کھاوے لیکن یہ جھٹ خود اپنے ساتھ بہت عمدہ اور کارآزمودہ سوار لیکر لڑائی میں گھس گیا اور خوب لڑا یہ لڑائی بڑی دیر تک جاری رہی اور لاکھوں آدمی مقتول اور مجروح ہوئے حقیقت یہ ھیکہ یہ اخیر نہایت بڑی اور بھاری لڑائی تھی لیکن اخیر نوبت سکندر نے دارا کو شکست دی اور دارا لڑائی میں سے بھاگ گیا اور بہت سی فوج اُسکی ماری گئی اور قید ہوئی اور بوقت بھاگنے دارا کے سکندر نے اسکا تعاقب کیا اور شہر بابل وغیرہ میں ہوتا ہوا طرف اصفہان کے جہاں کہ دارا بھاگ گیا تھا چلا اور جبکہ سکندر لہاجل میں پہنچا تو اس نے خبر پائی کہ دارا کو اس کے دو بڑے افسروں سنبس اور سٹی بازیر نے قید کرلیا ھے یہ خبر سنتے ہی اس نے فوراً کوچ کیا اور جب ان دونوں افسروں مذکور نے یہ خبر پائی کہ سکندر آتا ھے تو وہ رستے ہی میں دارا کو قتل کر کے بھاگ گئے جبکہ سکندر نے راستے میں دارا کو مردہ پایا تو اسے بڑا رنج ہوا اور اس نے دارا کو بموجب بادشاہی شان کے دفن کیا۔ اس طور پر ایسی طاقت مند اور بڑی سلطنت ایران کی اس کے ہاتھ آئی اب سکندر خراساں ، قندھار ، بلخ ، ماوراءالنہر وغیرہ میں ہوتا ہوا اور ان کو فرماں بردار کرتا ہوا واسطے ارادہ فتح کرنے ہندوستان کے کابل میں آیا۔ مورخ بیان کرتے ھیں کہ شہر کابل بسایا ہوا اور بنیاد ڈالا ہوا سکندر کا ھے۔ سکندر نے کابل میں سب راجاؤں ہندوستان کو واسطے تابعداری کے بلوایا اور راجہ ٹکشلا نے

جسکی عملداری ہر دو طرف کنارۂ دریائے سندھ کے تھے تابعداری
سکندر کی قبول کی اور سکندر نے کشتیاں واسطے پار کرنے دریائے سندھ
کے تیار کروائیں اور دریائے مذکور کو پار کر کے ہندوستان میں آگیا اور
وہ ملک جو دریائے سندھ کے مشرق میں ہے اس زمانے میں وہ ملک تین
سرداروں پر تقسیم تھا ایسبنیز جو کہ حاکم کشمیر کا تھا اور ٹکشلا جس نے
کہ فرمانبراری سکندر کی قبول کرلی تھی اور پورس جسکی عملداری مشرق
کی طرف دریائے سندھ کے تھی جبکہ سکندر دریائے سندھ سے چل کر
ٹیک سیلا میں پہنچا جو کہ کنارۂ دریائے جھیلم پر واقع ہے دیکھتا کیا ہے کہ
بہت سا لشکر پورس مذکور کا سامنے کے کنارہ دریائے مذکور پر واسطے
روک کے پڑا ہوا ہے - سکندر اس موقعے پر مقابلہ کرنا نہ جان کر ایک فریب
کام میں لایا جہاں کہ فوج سکندر کی پڑی ہوئی تھی اس جگہ سے دو میل
کے فاصلے پر ایک بلندی پر ایک ٹاپو تھا جس نے دریا جھیلم کو دو
حصے میں تقسیم کر دیا تھا - سکندر رات کو جبکہ ہوا تند چل رہی تھی اور
تیرگی شب کی بشدت چھا رہی تھی اپنی فوج کو ساتھ لیکر اس ٹاپو پر سے
اوترنے کا ارادہ کر کے چلا اور صبح کو بوسیلۂ اس ٹاپو کے اتر کر سامنے
دشمن کے جا پڑا - جبکہ پورس کو خبر ہوئی کہ سکندر خود مع فوج کے
اتر آیا ہے تب وہ بہت سی فوج لیکر بارادۂ جنگ کے آیا اور اس وقت
آپس میں بڑی سخت اور خونی لڑائی واقع ہوئی لیکن چونکہ اقبال سکندر
کا بہت یاور تھا اس نے پورس کو شکست دی اور اسکو قید کرلیا اور اسکو
بخوبی اپنا تابعدار کر کے پھر اسکو اسکا ملک واپس کیا اور بعد ازآں سکندر
نے دریائے چناب اور راوی کو پار کیا اور راستے میں سب اہل ہنود نے
تابعداری سکندر کی اختیار کی اب سکندر دریائے بیاہ تک پہنچا اور اسنے
چاہا کہ اس دریا کو پار کر کے شہر پٹنہ میں گھس جاؤں - کہتے ہیں کہ اس

زمانے میں راجہ پٹنہ کا چندر گپت تھا جسکے یہاں چھ لاکھ فوج جرار تھی لیکن فوج سکندر کی عرصہ نو برس سے ساتھ سکندر کے بڑے بڑے ملکوں میں رات اور دن اور گرمی اور جاڑے مہمیں کرتی اور لڑتی پھرتی تھی اس باعث سے اب بہت لڑنے سے تھک گئی تھی تو اب فوج نے یہ چاہا کہ اب گھر کو مراجعت کر کے اپنے عیال و اطفال سے ملنا چاہیئے اس بات پر سب فوج اور افسروں نے متفق ہوکر سکندر سے یہ درخواست کی کہ اب اپنے وطن کو مراجعت کرنی چاہیئے - اگرچہ سکندر نے اپنی فوج کو دھمکایا اور خاطرداری اور عاجزی بھی کی کہ بڑا ملک ہندوستان کا ہاتھ آوئیگا اور اس سے بڑی شان حاصل ہوگی لیکن فوج نے نہ مانا آخرکار بہت بے دلی اور حسرت سے سکندر نے اپنے کیمپوں کو توڑ دیا اور حکم مراجعت کا دیا اور بہ وقت بازگشت کے ہندوستان سے راستے میں سکندر اور اہل ملتان سے لڑائی ہوئی اور بوقت لڑائی کے سکندر بڑی بہادری اور مردانگی کو کام میں لاکر خود اکیلا دیوار شہر کو پھلانگ کر شہر میں گھس گیا اور دشمن سے خوب لڑکر شکست دی لیکن اس لڑائی میں اس نے اتنے زخم کھائے تھے کہ توقعہ زندگی کی نہ رہی تھی لیکن بعد چند روز کے اسنے شفا پائی اور پھر کوچ طرف اپنے وطن کو کیا اور جب ایران میں پہنچا تو اسنے وہاں دارا کی لڑکی سے شادی کی اور جبکہ سسا میں جوکہ خراسان میں واقع ہے پہنچا وہاں جاکر اس نے جوکہ سال خوردہ اور جنرل اور سپاہی تھے انکو اجازت واسطے گھر جانے کی دی - اس باعث سے ساری فوج سکندر کی نے یہ چاہا کہ ہم کو بھی رخصت واسطے گھر جانے کے ملے - سکندر نے اس بات سے اپنی فوج سے بہت ناراض اور خفا ہوکر یہ حکم دیا کہ نئی فوج ایرانی رکھی جاوے اور سب پرانی فوج میری نکال دی جاوے اور اسنے بہت سی فوج ایرانی نوکر رکھ لی -

جب یہ بات فوج سکندر کی نے دیکھی تو فوج مذکور نے بہت عاجزی اپنے آقا کی کرکے اپنی خطا معاف کروائی اور دوبارہ اپنے اوپر سکندر کو مہربان کروایا بعد اسکے سکندر نے خود بخود دس ہزار آدمیوں کو اپنی فوج میں سے رخصت واسطے گھر جانے کے دی - بوقت علحدگی کے فوج سے سکندر کو بہت رنج حاصل ہوا بعد رخصت کرنے دس ہزار فوج کے وہ خود طرف شہر بابل کے باارادہ زیر کرنے اہل عرب کے چلاگیا اور جب کہ یہ شہر بابل میں پہنچا تو وہاں اسکو پیغام اجل آ پہنچا اور عارضہ بخار کا لاحق ہوا اور اسی مرض مہلک میں جب کہ اسکی عمر بتیس برس کی تھی بارہ سال سلطنت کرکے اس عالم فانی سے طرف عالم جاودانی کے رحلت کر گیا - حقیقت یہ ہے کہ جیسا یہ شہنشاہ یونانی گذرا ہے اور اسنے نام پیدا کیا ہے آج تک کوئی ثانی اسکا صفحۂ زمین پر نہیں پایا گیا ہے - قلم اور زبان کو طاقت نہیں کہ اس کی بہادری اور مردانگی کے اوصاف بیان کرے -

حال داخل ہونے نادر شاہ کا ہندوستان میں اور قتل کروانا باشندوں دہلی کا

واضح ہو کہ جس وقت میں شاہ جہان بادشاہ ہندوستان کا تھا اُس عہد میں بادشاہ ملک فارس کے صفوی تھے لیکن بہ سبب عیش و عشرت اور توجہ نہ کرنے کے طرف کاروبار ملکی کے ان کی سلطنت ضعیف ہوتی گئی اور اخیر کو قوم افغانوں نے سلطنت ایران پر حملہ کیا اور سنہ ۱۷۲۲ء میں شہر اصفہان کا محاصرہ کرکے اُسے فتح کیا اور شاہ حسین کو کہ ایک بادشاہ صفویون میں سے ایران کا تھا قید کیا لیکن بیٹا اسکا جسکا نام

طہماسپ تھا قید سے بچکر آزاد رہا ، اسکا مددگار و رفیق مستقل نادر تھا
کہ وہ بیٹا ایک گڈریا خراسان کا تھا جس نے اپنے باپ کے ریوڑ کو
فروخت کر کے چند ہمراہی اپنے پاس رکھے اور مع ان کے ملک مین غارت
اور لوٹ کرتا پھرتا تھا۔ واضح ہو کہ نادر ایک بڑا دلیر مرد تھا اور اپنی
سپاہ کو بہت خوش رکھتا تھا اور اس باعث سے فتح اسکی نہایت تابع تھی۔
اس وقت شاہ طہماسپ کی طرف سے افغانوں سے لڑا اور انہیں شکست
دی اور سنہ ۱۷۲۷ء میں اصفہان کو اس نے واپس چھین لیا اور بادشاہ
افغان کو قید کیا بعد ازاں وہ ترکوں کی طرف متوجہ ہوا۔ جنہوں نے مغربی
سرحد سلطنت ایران میں کچھ دخل دیا تھا اور انہیں بھی عاجز کیا اور جب
نادر نے یہ دیکھا کہ کمال اختیار اسکے ہاتھ میں ھے اس نے طہماسپ
کو دور کرنا چاہا اور اپنے تئیں بادشاہ بنانے کا ارادہ کیا چنانچہ ۱۷۳۶ء
میں اس نے جلوس تخت شاہی پر کیا اور شاہ طہماسپ کی آنکھیں نکلوا ڈالیں
از بسکہ نادر شاہ سے اور افغانوں سے دشمنی چلی آتی تھی تو وہ بھی
اکثر اسے دق کرتے رہتے تھے لیکن اُسنے ان سے قرار واقعی عوض لیا۔
نادر شاہ نے کابل میں آنکر بہت سے افغانوں کو قتل کیا اور ان پر بڑی بڑی
زیادتیاں کیں۔ جب نادر شاہ شہر کابل میں آیا تھا اس وقت اسنے یہ ظاہر
کیا تھا کہ مجھکو کچھ دشمنی اپنے بھائی شاہ ھند سے نہیں ھے۔ فقط یہ
مطلب ھے کہ افغانوں کو سزا دیکر واپس اپنے ملک کو چلا جاوں لیکن
مرضی خدا کی یہ تھی کہ ھند کی خلقت کم حوصلہ کو کچھ سزا دینی چاہئیے۔
ایسا اتفاق ہوا کہ چند سفیر وغیرہ بھیجے ہوئے نادر شاہ کے پاس شاہ ھند کے
راستہ میں قریب جلال آباد کے مارے گئے اور کچھ عذر نادرشاہ سے شاہ
ھند نے کیا۔ واضح ہو کہ اسوقت تک جلال آباد میں عملداری شاہ ھند کی تھی۔
جب یہ حال نادر شاہ کو ہویدا ہوا تو نادر شاہ دھلی اور وہاں کے وزرا

سے نہایت خفا ہوا اور جلال آباد میں آن کر باشندون کو قتل کیا اور بعد
ازان شہر دھلی کی طرف کوچ کیا اور کرنال پر آن کر فوج محمد شاہ شاہ دھلی
کے میں اور نادر شاہ میں لڑائی ہوئی ۔ امیر الامرا نے زخم کاری پایا اور
سعادت خاں وزیر محمد شاہ دھلی کا، نادر شاہ سے اس وقت تک لڑتا گیا
جب تک کہ اس کی سپاہ نے اسکا ساتھ دیا آخرکار فوج بھاگی اور
سعادت خاں کو نادر شاہ نے قید کیا ۔ سعادت خاں نے اس نظر سے کہ
علاقہ امیر الامراء کا میرے ہاتھ آجائے کچھ فریب کر کر آ کر ملاقات
محمد شاہ اپنے آقا کی نادر شاہ سے کروائی اور ان سے ایسے معاملے
کئے گئے کہ نادر شاہ نے دو کروڑ روپیہ طلب کئے اور ھندوستان کو خالی
کرنے کا اقرار کیا لیکن ھندوستان میں نفاق ہمیشہ سے ہوتا آیا ھے ۔
چنانچہ نظام الملک صوبہ دار دکن نے یہ چاہا کہ عہدہ امیر الامراء کا مجھے
مل جائے اور سعادت خاں کو نہ ملے ۔ پس اس مطلب کے حاصل کرنے
کیلئے نظام الملک نے نادر شاہ سے یہ بیان کیا کہ دو کروڑ روپیہ بہت کم
ھے ۔ اتنے روپیئے تو وہ خود سعادت خاں اپنی ذات سے دے سکتا ھے ۔ یہ
بات سنتے ہی نادر کی حرص بڑھ گئی اور وہ دھلی میں داخل ہوا اور وہاں سے
بیشمار دولت زبردستی لی لیکن صرف یہی آفت واسطے شاہ جہاں آباد کے
نہ تھی بلکہ کچھ اور بھی آفت اہل دھلی پر آنے والی تھی ۔ اتفاق ایسا ہوا کہ
ایک جھوٹی افواہ مرجانے نادر شاہ کی شہر میں مشہور ہوئی اور اس خبر کو
سچ جان کر کوتاہ اندیش آدمی اس شہر کے نے جہاں کوئی ایرانی یعنی نوکر
نادر شاہ کا ملا اُسے مارنا شروع کیا ۔ چنانچہ بہت سے ایرانی مارے گئے ۔
جب نادر شاہ نے یہ خبر پائی تو وہ نہایت غضبناک ہوا اور دھلی میں قتل
عام کا حکم ۔ دیا دوپہر تک قتل جاری رہا اور کہتے ھیں کہ آٹھ ہزار آدمی
دھلی کا مارا گیا ۔ مورخ انگریز اس جائے یہاں کے لوگوں پر نہایت طنز کرتا

ھے کہ گو ایسی زیادتیاں نادر شاہ نے دھلی میں کیں اس پر بھی اکثر باشندے دھلی کے جانے سے نادر شاہ کے بہت ناخوش ہوئے - سچ ھے اُس زمانے میں اور اس زمانے میں بھی یہاں کے لوگوں کو فقط یہ خیال ھے کہ جب تک انہیں اپنی ذات سے کچھ رنج نہو تو اُن کی بلا سے ساری خلقت غارت ہی ہو جائے یہ خیال تو انہیں کبھی نہیں آتا ھے کہ ان کے ہم وطنوں کو رنج ھے اور اس سے اُنھیں کبھی افسوس نہیں آتا ھے خدا حافظ ھے اس خلقت کا - واضح ہو کہ نادر شاہ دھلی سے چودھویں تاریخ ماہ اپریل سنہ ۱۷۳۹ء کو روانہ ہوا اور اٹھارویں تاریخ ماہ جون سنہ ۱۷٤۷ء کو قریب شہر مشہد کے قتل کیا گیا اور احمد شاہ ابدالی نے اسکی جائے سلطنت افغانستان میں حاصل کی اور اسکی جائے تخت ایران پر کسی اور شخص نے پیروی کی - تصویر نادر شاہ کی بھی اس جائے درج ہوتی ھے - نادر شاہ نے جب باشندوں دھلی کو قتل کیا تو اسکی تاریخ ایک شخص نے کہی ھے - « غم عام » -

---

ذکر شہنشاہ نیرو کا

یہ شہنشاہ نہایت درجہ کا ظالم گذرا ھے - کوئی شخص اپنا نام نیک چھوڑ جاتا ھے لیکن یہ شہنشاہ اپنا نام بد اور خونی اس صفحہ جہاں پر چھوڑ مرا - یہ شہنشاہ سنہ ٥٤ ء میں تخت پر بیٹھا اس کی سلطنت کے حالات کو لوگ بہت ناپسند کرتے ھیں اس نے ایسے ایسے کام کئے کہ حیوان اور دیوانوں سے بھی عمل میں نہیں آتے ھیں - شروع سلطنت میں بہ سبب

اسکے استاد سینکا کے انتظام اور بہبودی ملک میں معلوم ہوئی، لیکن چند روز بعد شہنشاہ نے جیسا کہ اسکا مزاج تھا ظاہر کیا یعنی چند لچوں اور عیاشوں کے ساتھ تمام دارالخلافہ میں آوارہ پھرتا تھا اور کوئی دقیقہ ظلم اور بے انتظامی کا واگذاشت نہ کیا۔ اس شہنشاہ کا نام بدنام واسطے اسکے ظلموں کے نہایت مشہور ہے۔ وہ انتظام اور کاروبار سلطنت سے بالکل غافل رہا اور اس سبب سے اسکی ماں ایگرپنیا نے کل اختیار پایا اور ہر ایک فعل شنیع اور ظالم کا اُس نے سلطنت میں کرنا شروع کیا۔ سینکا شہنشاہ اپنے شاگرد کو اس امر سے مطلع کیا چنانچہ اسنے اسکا اختیار کم کردیا اور بعوض اسکے اسکی والدہ نے ظاہر کیا کہ نیرو اسکا بیٹا غاصب ہے اور قابل سلطنت کے نہیں چنانچہ نیرو نے اپنی والدہ کو ایک غلام سے قتل کروادیا اور بعد ازآں کشتی لڑنا اور ہر ایک عیش کی طرف متوجہ ہوا۔ پوپیا اسکی شاہزادی نہایت بد عورت تھی اس اوقات میں سنت ذرا مزاحم افعال بد شہنشاہ کے نہ تھی۔ ان دنوں میں ایک سازش جو برخلاف نیرو کے ہوئی تھی ظاہر ہوئی اور اسنے جس پر ذرا بھی شک پڑا قتل کیا اُس نے اپنے استاد سینکا پر بھی شک کیا اور قتل کرنے کا حکم دیا لیکن بہ سبب درجہ استاد کے شہنشاہ نے حکم دیا کہ وہ اپنی موت چاہے جس طرح پر پسند کرے چنانچہ وہ اپنی رگیں کھول کر حمام میں بیٹھ گیا اور اس طرح اس ظالم کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ شہنشاہ اپنے تئیں پہلوانوں، کشتی گروں میں سمجھتا تھا۔ چنانچہ وہ یونان میں واسطے حاصل کرنے انعام بیچ کھیلوں اولمپک کے اور اپنے تئیں ہنرمند تصور کیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ نیرو نے اپنے دارالخلافہ رومیہ کبری میں آگ لگادی اور محل کی چھت پر واسطے دیکھنے تماشہ کے جا بیٹھا۔ القصہ حالات بے رحموں اس شہنشاہ کے پڑھنے اور لکھنے سے بہت رنج حاصل ہوتا ہے۔ آخر کو وہ

مثل مشہور ہے کہ ظالم کنبے کی موت مرا کرتے ہیں سو ہی ہوا۔ دندکس ایک شخص نے جو نائب جج اور باشندہ گال کا، تھا اپنے ملک میں سرکشی کروائی اور ایک شخص گالبا کو شہنشاہ جو کہ اس اوقات میں صوبہ دار ملک ہسپانیہ کا تھا مقرر کیا اور آخر کو شہنشاہ کی فوج سے طرفدار گالبا کا غالب رہا اور نیرو کو سلطنت چھوڑنی پڑی اور ایک غلام کے گھر چھپ رہا اور محکمہ سنت سے اسکے واسطے سزا موز میجورم کی مقرر ہوئی۔ سزائے مور میجورم سے یہ مراد ہے کہ پہلے رومیوں میں ایک سزا مقرر تھی کہ ملزم کو کوڑے مار کر طارپین کے پہاڑ پر سے دریائے طبر میں پھینک دیا کرتے تھے چنانچہ ایسا ہی حکم شہنشاہ نیرو کے واسطے بھی ہوا لیکن نیرو نے اپنے غلام کی عاجزی کی کہ تو مجھکو خنجر سے ہلاک کر کہ میں اس سزا سے بچوں۔ چنانچہ غلام نے بموجب اسکے کہنے کے بیچ سنہ ۶۸ء کے اسے خنجر سے ہلاک کیا اور وہ ایسی خصلت چھوڑ مرا کہ اُس کے مطابق ہم کسی تاریخ میں مشکل سے پاتے ہیں۔

تجویز مسٹر مکالے صاحب کی درباب تربیت کرنے رعایا کے کچھری پارلیمنٹ میں

اب ہم بموجب اقرار کے ایک تجویز مسٹر مکالے صاحب بہادر کی جو کہ وزیر ملکہ معظمہ انگلستان کے ہیں۔ درباب تربیت کرنے عوام کے لکھتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ جب کچھری پارلیمنٹ میں بڑے بڑے وزیر اور صاحب تدبیر داخل ہوتے ہیں اور کوئی مقدمہ پیش ہوتا ہے تو ہر ایک

اپنی اپنی رائے اس مقدمے میں کرسی پر سے کھڑا ہوکر بیان کرتا ھے اور جس طرف بہت سی تدبیر والوں کی رائے شامل ہوتی ھے وہی بات عمل میں آتی ھَے اور اب جو ۱۹ اپریل سنہ ۱۸۴۷ء کو جو کچہری پارلیمنٹ کی کھلی تھی اور سب امیر اور وزیر اور صلاح کار جمع ہوئے تھے تو ایک مقدمہ درباب تربیت عوام کے درپیش ہوا تھا اور ہرایک شخص نے اپنی اپنی رائے بیان کی - کسی نے اپنی رائے یہ دی کہ گورنمنٹ کو درباب تربیت کے دخل نہ دینا چاہئے اور کسی نے خلاف اسکے لیکن مسٹر مکالے صاحب بہادر نے جو بڑی زبردست تقریر کی کہ سرکار کو لازم ھے کہ رعایا کو تربیت کرے - ان کی تقریر سے ساری کچہری والے خوش ہوئے اور یقین ھے کہ اُنہیں کی تدبیر درست ہو اور مقدمہ اُنھیں کی رائے کے بموجب فیصل ہو - ناظرین کو دیکھنا چاہئے کہ کیسے زبردست کلام اور تجویز اس عقلمند مدبر کی ھے - اسکے پڑھنے سے ناظرین پر منکشف ہوجائے گا کہ کس کس طرح سے صاحبان پارلیمنٹ مقدمہ کو فیصل کرتے ھیں اور کیسی کیسی تکراریں درمیان میں لاتے ھیں مطالعین پر واضح ہوکہ ہم نے جو اکثر جائے اس مضمون میں لفظ گورنمنٹ کا لکھا ھے اسکے معنی وہاں سرکار کے لئے جاتے ھیں اب ہم خاص کلام اُن کے کا ترجمہ کر کر لکھتے ھیں غور سے ملاحظہ کرو - « میں اس مجلس میں اس واسطے کچھ عرض کرتا ہوں کہ بندہ بھی ایک شخص اس کونسل میں سے ھے جس نے تجاویز گورنمنٹ کو تربیت عوام کے باب میں قبول کیا ھے اور چونکہ لوگ صاحبان کونسل کو یہ الزام لگاتے ھیں کہ تربیت عوام کے بہانے سے صاحبان کونسل کی غرض یہ ھے کہ خلقت کے دین اور ملک اور اختیاروں میں خلل انداز ہوں - اس واسطے مجھے بھی اپنے تئیں ملزموں میں سے تصور کرنا چاہئے اور اسی باعث سے مجھ پر یہ فرض ھے کہ اس قابو کو واسطے دور کرنے

اس الزام کے ہاتھوں سے نہ دوں - وکیل رعایا ضلع فزبری نے جو کلام
اس کونسل میں کیا ہے اور میری تقریر ان کی سے خلاف ہو تو مجھے امید
ہے کہ یہ صاحب معاف فرمائیں گے - اگر یہ صاحب معاف کریں تو حق
یہ ہے کہ ان صاحب کے کلام اور تجویز سے کچھ حسن تجاویز کونسل کی
ثابت نہ ہوئیں - میں بہت حیران ہوں کہ باوجود کہ یہ صاحب بڑے ذکی اور
ذی لیاقت ہیں انہوں نے کچھ لحاظ اپنی تقریر کا ان باتوں میں نہ کیا جو
رعایا کی رائے سے بہت مختلف ہیں - ان صاحب نے بہت ذکر اور قصے
اس خاص مقدمے سے متعلق نہیں ہیں، بیان کئے لیکن یہ نہ بیان کیا کہ انکی
رائے اس مقدمے میں کہ جس میں رعایا میں اس قدر اختلاف ہے کیا ہے؟
انہوں نے یہ بھی نہیں بیان کیا کہ آیا گورنمنٹ پر رعایا کو تربیت کرنا فرض
ہے یا نہیں - صاحب موصوف اپنی تقریر کو تمام کر کر کرسی پر بیٹھ گئے
اور اپنی رائے کو اس مقدمہ عظیم میں سامعین پر روشن نہ فرمائی - جبکہ
یہ خیال آتا ہے کہ اس مقدمے میں خلقت کو کس طرح کی توجہ اور کسقدر
فکر اور جستجو اور اس میں بیشمار عرضئیں پیش کی گئی ہیں اور پھر اس
مقدمے میں رائیں غلط اور بے بنیاد اس محکمہ میں کی جاتی ہیں تو اب
مجھ کو یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی رائے کو بہت صفائی سے بیان
کروں - میری دانست میں عوام کو تربیت کرنا گورنمنٹ کو ایک فرض ضروری
ہے - میری دانست میں وجوہات اس دعوی کے بہت ظاہر اور بہت سید ھے
اور بہت مضبوط ہیں - بعض صاحب یہ کہتے ہیں کہ گورنمنٹ کو چاہئے کہ ہر
امر میں دخل دے اور اپنا دخل تجارت کے باب میں بھی کرنا چاہئے مثلاً
گورنمنٹ حکم دے کہ فلانی شئی اس ملک میں نہیں آئی اور فلانی شئی
اور ملکوں میں یہاں سے نہ لیجائی جائے اور اس طور سے ان پر یہ
بھی فرض ہے کہ علم اور خرچ رعایا کے میں دخل دیں - بعض آدمیوں کی

اس میں بالکل خلاف رائے ہے وہ چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ کسی بات میں
دخل نہ دے اور اس ترکیب سے احاطہ اختیار گورنمنٹ کو وہ تنگ کرتے ہیں
لیکن ان باتوں کی تکرار سے ہمیں بالفعل کچھ غرض نہیں اور اس واسطے
طول کلامی کو چھوڑ کر برسر مطلب آتا ہوں لیکن امید ہے کہ اس میری
بات اور تجویز پر سب آدمی متفق ہوں کہ یہ ایک بڑا فرض گورنمنٹ پر
ہے کہ اپنی رعایا کی جان و مال کی حفاظت کرے جو حفاظت مذکور عمل
میں نہیں لاسکتی وہ فی الحقیقت مستحق درجہ حکام کی نہیں جب یہ بات
مانی کہ بڑی غرض گورنمنٹ سے یہ ہے کہ رعایا کی جان و مال کی حفاظت
ہو تو ہم دعوی کرتے ہیں کہ تربیت رعایا کی سے حفاظت مذکور خوب متصور
ہے۔ اس مقدمے میں شہادت جناب آدم استمھ کی جنھوں نے ایک مشہور
کتاب علم انتظام مدن میں لکھی ہے دیتا ہوں اس فاضل کی یہ رائے ہے کہ
گورنمنٹ کو ہر امر رعایا میں دخل نہ دینا چاہئے۔ چنانچہ وہ ایک جائے
اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ تربیت امیر لوگوں کی میں حکام کا دخل کچھ
ضرور نہیں ہے۔ پھر بھی وہ یہ فرماتے ہیں کہ اُن ملکوں میں جہاں بہت
تجارت ہوتی ہے اور جہاں عقل اور علم کی بڑی ترقی ہے تربیت امیروں
اور غربا کی میں بہت فرق ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ تربیت عوام کا بہت
خیال رکھنا چاہئے بقول اس فاضل کے جاہل اور ناتربیت یافتہ ہونا رعایا
کا ایک نہایت سخت بیماری کی مانند ہے۔ یہاں تک کہ اگر گورنمنٹ اسکے
علاج اور تدارک میں ذرا بھی تغافلی کرے تو اس پر بڑی خرابی آوے گی۔
چند روز بعد اجرائی ہونے اس فاضل کی کتاب مذکور کے تجربہ اسکے قول
مذکور الصدر کا خوب معلوم ہوا یعنی اس قول کا امتحان ایک دفعہ
سنہ ۱۷۸۰ء میں ہوگیا واسطے استحکام میری اس رائے کے کہ بہ سبب
بے علمی رعایا کے حفاظت جان و مال رعایا میں خلل آتا ہے اور اس

واسطے گورنمنٹ پر تربیت کرنا رعایا کا فرض ہے یہ مثال مرقومہ ذیل بہت
خوب ہے۔ اس مثال سے زیادہ مفید مطلب واسطے استحکام میری رائے
کے اور کوئی تواریخ سے نہیں واضح ہوتی ہے۔ بہ سبب ناتربیت یافتہ
ہونے رعایا کے جو بلوہ ہوا تھا اگر کوئی پوچھے کہ اس بلوہ کا کیا باعث
تھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ ذرا بھی کوئی رنج اور دقت کی بات نہ تھی۔
فقط ایک پاگل آدمی کے ورغلانے سے ایک لاکھ آدمی اس کے ساتھ
ہو گئے اور سرکشی شروع کی۔ انہوں نے مکان پارلیمنٹ کا محاصرہ کر لیا۔
اور جو وزیر اعظم اور صلاح کار پارلیمنٹ میں تھے وہ اپنی کرسی پر بیٹھے
ہوئے مارے ڈر کے کانپنے لگے اور سرکش آدمیوں نے امیروں کو شاہراہ
پر بگھیوں میں سے کھنچ کر گرا دیا اور پادری لوگ کھڑکیوں پر سے کود کر
سرکشوں کے ڈر کے مارے بھاگ گئے اور چھتیس جائے شہر لندن میں
آگ لگی ہوئی نظر آئی۔ گھر چیف جسٹس کا لٹ گیا اور وزیر اعظم کو
سرکشوں نے گھر میں سے نکال دیا۔ اب جاننا چاہئے کہ باعث اس تمام
غدر اور بے انتظامی کا یہ تھا کہ عوام لوگ جاہل مطلق تھے کہ ان میں
اور جانوروں میں کچھ فرق نہ تھا پس اس سے بالکل ثابت ہوتا ہے کہ
سرکار نے جو تربیت کرنے عوام میں تغافلی کی اور وہ جاہل اور بے وقوف
رہے۔ انہوں نے بہ سبب بے وقوفی کے یہ فعل کیا۔ اگر ان کو تربیت اور عقل
ہوتی تو اس کار بے وقوفی کو عمل میں نہ لاتے۔ صرف یہی مثال بڑے
نتیجوں بباعث بے علمی اور جہالت کے نہیں ہے بلکہ بہ سبب ناتربیت یافتہ
ہونے کے سرکشی برسٹل اور ڈونگ ہیم میں بھی ہوئی تھی اور جنرل وک
اور کپتان سولنگ سے بہت سی زیادتیں ظہور میں آئیں تھیں۔ یہ بات
بیشک بے علمی اور جہالت کے وقوع میں آئی تھی کہ چند بڑے آدمیوں نے
بعض اضلاع میں آگ لگا دی تھی اور کلوں کے رواج سے خفا ہو کر آدمیوں نے

سرکشی اور دنگا کیا تھا۔ اب ذرا غور کرنا چاہئے کہ یہ دنگا اور فساد کبھی
عمل میں نہ آتا۔ اگر عوام کا دل بہ سبب تربیت کے کشادہ اور وسیع ہوتا
اور ان کو یہ بات سکھائی جاتی کہ خدا کی عبادت کرنی چاہئے اور خلق کو
اپنا دوست تصور کرنا چاہئے اور انسان سے مہربانی سے پیش آنا چاہئے۔
اُنھیں یہ بھی سکھایا جاتا کہ حکام کا ادب کرنا چاہئے اور اگر کوئی
ان سے بری طرح سے پیش آوے تو درپے انتقام کے نہونا چاہئے۔ حکام
سے موافق دستور کے فریاد کرنی چاہئے۔ یہ وجہ واسطے ثبوت میرے مطلب
کے قوی معلوم ہوتی ہے کہ بڑی غرض گورنمنٹ سے یہ ہے کہ رعایا کے
مال اور جان کی حفاظت ہو ورنہ بہ سبب نہایت جہالت اور بے علمی رعایا
کے جان و مال کو خوف عاید ہوتا ہے اور اس واسطے یہ بات میرے خیال
میں نہیں آتی کہ اگر گورنمنٹ کے مطلب اور غرض پر ذرا غور کیا جائے تو
یہ بات کیونکر کہی جا سکتی ہے کہ تربیت کرنا عوام کا کام گورنمنٹ کا نہیں
ہے۔ اب صاحبان کونسل سے یہ سوال ہے کہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ
گورنمنٹ پر حفاظت کرنا جان و مال رعایا کا فرض ضروری ہے خواہ وہ
یہ بات کسی طرح سے عمل میں لاوے۔ اگر تربیت کرنا عوام کا سرکار عمل
میں نہ لاوے تو پھر کونسی تجویز واسطے آرام رعایا کے استعمال
کرنی چاہئے اسکا جواب شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ سزا کے ذریعے سے
حفاظت مذکور عمل میں آسکتی ہے یعنی جو حفاظت جان و مال رعایا کی
میں خلل انداز ہوں ان پر رنج نازل کرنا چاہئے تاکہ وہ پھر ایسا کام نہ کریں۔
اگر تربیت کے اثر کا خیال نہ کریں تو باقی تدبیریں واسطے انتظام مذکور
کے سوائے سپاہ کی زبردستی کے اور قید اور جلاوطنی اور پھانسی وغیرہ
کے اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ ان سے خلقت کو بہت تکلیف پہنچتی ہے۔
بس اب غور کرنا چاہئے کہ گورنمنٹ کو دو طریقوں مرقومہ ذیل میں واسطے

حفاظت جان اور مال رعایا کے کونسا ضروری ہے آیا سرکار عوام کی
عقل اور اخلاق کو زیادہ کرنے یا بذریعہ سزا کے انتظام کرے فی الحقیقت
یہ بات مجھے حیران کرتی ہے کہ بعض کی یہ رائے ہے کہ گورنمنٹ پر سزا
دینا آدمیوں کو اسلئے کہ وہ اخلاق اور اپنے فرائض سے آگاہ نہیں ہیں
واجب ہے میری دانست میں یہ رائے غلط ہے - سرکار کو چاہئے کہ
کوئی ایسی تجویز کرے کہ اُسکے ذریعہ سے ان بیچاروں کے اخلاق درست
ہوجائیں اور انہیں تمیز برے بھلے کی ہوجائے تاکہ وہ برے کاموں سے باز آئیں -
میری دانست میں گورنمنٹ کو اختیار نہیں پہنچتا ہے کہ ان لوگوں کو عقل اور
علم سے بے پرواہ رکھے اور سزا دے - فی الحقیقت یہ بات بڑی شرم اور
ندامت کی ہے اگر ایک جزو بھی اس روپیہ کا جو سزا دینے میں خرچ
ہوا ہے واسطے تربیت عوام کے صرف ہوتا تو بہت ان بیچاروں میں سے
جو واسطے گناہوں عظیم کے گردن مارے گئے ہیں آج تک زندہ ہوتے
اور شاید اپنی کوشش سے دوسرے کو فائدہ پہنچاتے اور بہت سے ان میں سے
جو جیل خانوں میں مقید ہیں آزاد ہوتے اور چاہے جس کار مفید میں
مصروف ہوتے اور بہت سے ان میں سے مختلف جزائر میں جلا وطن ہیں،
اپنے وطن میں رہتے اور کاموں مفید میں مشغول ہوتے اور اپنی زندگی کو
با عزت بسر کرتے علاوہ ازیں رپورٹ ضلع نیو پورٹ کی سے کہ تربیت
عوام کے باب میں سابق میں کونسل کو پیش کی گئی تھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ
اس ضلع میں قریب گیارہ ہزار لڑکے وغیرہ تھے ان میں سے قریب ۸۰۰۰
کے بالکل کسی جائے تعلیم کی میں نہیں جاتے تھے اور آوارہ پھرتے تھے
اور باقی ایسے مکتبوں میں جاتے تھے کہ وہاں جانا اور نہ جانا مساوی ہے -
کس واسطے کہ وہاں جو معلم ہیں وہ بالکل جاہل اور بے علم ہیں بعض
سوداگر لوگ جن کا نام بگڑ گیا انہوں نے معلمی اختیار کر لی - غرض یہ

ہے کہ ان مکتبوں میں وہ لوگ اتالیق ہیں جو کسی اور کام کے لایق نہیں ہیں لاچار ہوکر انہوں نے یہی شغل واسطے وقت گذاری کے اختیار کیا - پس جب یہ حال رعایا کا ہوا اور بالکل وہ بے علم اور جاہل ہوں تو کون شک کرسکتا ہے کہ جہاں کسی نے ان کو ورغلایا وہ فوراً حکام کے خلاف سرکشی کرنے لگے جب اس طرح سے سرکشی عوام کرنے لگیں تو بتاؤ کیا کرنا چاہئے اب سوائے اسکے کہ فوج کو واسطے ان کے سزا دینے کو حکم دیں اور کچھ نہیں ہو سکتا لیکن غور کرنا چاہئے کہ یہ سخت ضرورت فوج کشی کی کیوں پڑی صرف اسلئے کہ گورنمنٹ نے تربیت عوام کی میں تغافلی کی اگر یہ تغافلی نہ عمل میں آتی تو عوام کیوں کسی کے ورغلانے میں آتے اور گناہ کے مرتکب ہوتے یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تربیت کرنے عوام سے گورنمنٹ کو صرف یہی غرض نہیں ہے کہ حفاظت جان اور مال رعایا کی عمل میں آوے، بلکہ یہ تمام مطالب عظیم اس سے حاصل ہوتا ہے کہ کچھ دنگا فساد برپا نہو اور کسی کو کسی طریق کا رنج نہ پہنچے - علاوہ ازیں مجھے اپنی رائے کی درستی پر بہت یقین ہوتا ہے جس وقت کے مجھے یہ خیال آتا ہے کہ زمانہ سلف میں جو بڑے فاضل اور حکم گذرے ہیں اُن کی بھی رائے میری رائے کی موافق تھی جو ہمیشہ یہ چاہتے تھے کہ گورنمنٹ کو بہت کم اختیار ہو اور وہ ہر بات رعایا کی میں دخل نہ دے بہت سے عاقل لوگ اپنے گذرے ہیں کہ وہ بڑے آزاد منش تھے اور وہ یہاں تک خواہاں اس بات کے ہوئے ہیں کہ گورنمنٹ ہر بات رعایا میں دخل نہ دے اور اپنی گورنمنٹ سے ناراض ہوکر اپنے وطن کو ترک کیا اور انگلستان سے امریکہ کو چلے گئے اور وہاں جانے کے بعد ریاست یعنی ایسی ریاست جہاں بادشاہ نہیں ہوتا اور کاروبار ریاست کے بالکل موافق رعایا کے عمل میں آتے ہیں، قائم کی تاکہ اپنی ملکی باتوں میں

گورنمنٹ کو دخل نہو یہ سب آزاد منش آدمی متفق الفظ یہ کہا کرتے ھیں
کہ رعایا کو تربیت کرنا ایک کار عظیم گورنمنٹ کا ھے - سچپوزٹ کے
ضلع میں کہ امریکہ میں واقع ھے بیچ سنہ ١٦٤١ کے قانون جاری ہوا
اور اس کے شروع میں یہ ذکر ھے کہ تربیت کرنا عوام کا بڑی بات ھے اور
اس واسطے گورنمنٹ پر فرض ھے کہ لڑکوں کی تربیت میں جستجو کرے -
اے صاحبان! واسطے استحکام میری رائے کے امریکہ کی مثال دینے میں
ایک خاص بات خوشی کی مجھے یہ ھے کہ اکثر وہ صاحب جو یہ کہا کرتے
ھیں کہ جیسا کہ گورنمنٹ کو دین رعایا کے باب میں نہیں دخل دینا چاہیے
ویسا ہی انہیں تربیت عوام سے کچھ غرض نہیں ہمیشہ امریکہ کا حال
زبان پر لایا کرتے ھیں - اب ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ امریکہ کا کیا حال
ھے اور کیا رائے ان بزرگوں اور عاقلوں کی جو اس ملک میں گذرے ھیں
تھی - سب سے بڑی نصیحت جو جناب واشنگٹن صاحب رعایائے ملک
یونائٹڈ سٹیٹس کو کہ ملک امریکہ میں واقع ھے دے رہے ھیں وہ یہ ھے کہ
رعایا کو گورنمنٹ تربیت کرے اور علاوہ ازیں جفرسن صاحب بھی کہا
کرتے تھے کہ رعایا کو تربیت کرنا چاہیئے - میں جفرسن کی شہادت کو
بہت مفید اپنی تجویز اور مطلب کا سمجھتا ہوں اس واسطے کہ ان سب
مشہور اور بزرگ آدمیوں میں سے جو واسطے کمی اختیار گورنمنٹ کے
نہایت خواہاں گذرے ھیں، یہ شخص نہایت مشہور تھا باوجود اس آزاد منشی
کے یہ شخص اپنے اخیر دنوں زندگی تک ہمیشہ واسطے تربیت رعایا کے
معرفت گورنمنٹ کی کوشش کرتا رہا - پس جب ایسے عاقلوں اور بزرگوں
کی یہ رائے ھے تو کیا اعتراض معقول اس رائے پر ہو سکتا ھے لیکن
اب کے زمانے کے آدمی جو سنہ ١٨٤٦ سے کچھ اس درباب بہت سا
غل غپاڑا کرنے لگے ھیں اور انہوں نے یہ نیا قاعدہ ایجاد کیا ھے کہ

گورنمنٹ تربیت کرنے عوام میں دخل نہ دے اگر غور کرو تو طرفداروں اس نئے قاعدہ گورنمنٹ کی یہ رائے معلوم ہوتی ہے کہ گورنمنٹ کوئی شئ بڑی بے رحم مثل قصاب کے ہے اور کار گورنمنٹ کا یہ ہے کہ اپنی رعایا میں تدارک گناہوں کا بذریعہ زیادتی اور سزا کے کرے اور سب ان باتوں میں جن کے ذریعہ سے خلقت کو عقل اور علم حاصل ہو اور وہ عالی حوصلہ اور با اخلاق ہوجائیں، گورنمنٹ کو کچھ دخل نہیں دینا چاہیئے -

میری رائے میں یہ بات بالکل خارج از عقل ہے - گورنمنٹ کو تدارک گناہ کے واسطے زبردستی اور زیادتی کرنی نہ چاہئے کہ رعایا کے اخلاق پہلے ہی سے درست کرے تاکہ لوگ شروع ہی سے مرتکب گناہوں کے نہوں - اے صاحبان کونسل کیا حکام کو یہ چاہئے کہ گو ہزار اسباب سرکشی کے موجود ہوں ان کا کچھ خیال نہ کریں اور چپکے بیٹھے انتظار کیا کریں جب تک بلوہ اور دنگا وقوع میں آوے اور بعد اسکے ایک فوج کو روانہ کریں تاکہ اُس بیمار جاہل رعایا کو جن کو حکام نے کبھی باتیں اخلاق کی نہ سکھائی تھیں سپاہ مانند گھانس کے کاٹ ڈالے گو یہ خوب جانتے ہیں کہ اگر رعایا کو ہم پہلے سے تربیت کرتے تو ان کے اخلاق درست ہو جاتے اور وہ ایسے گناہ اور زیادتی کبھی نہ کرتے اب میں ایک سوال کرتا ہوں کہ اگر حکام کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلانی جائے بری بری مجلسیں اور صحبتیں ہیں جہاں بچوں اور لڑکوں کو بری بری باتیں سکھائی جاتی ہیں - ابھی انہیں کچھ دخل واسطے تدارک ان مکتبوں کے نہ کرنا چاہئے جب تک کہ وہ لڑکے جو درصورتیکہ ذہین ہیں اگر انہیں تربیت معقول ہوتی اور سرکار کی طرف سے علم اور عقل سے بہرہ حاصل ہوتا اور بہت نیک بخت آدمی ہوتے اور اپنے ہم وطنوں کی بہترانی میں مشغول ہوتے

بالکل آوارہ ہوجائیں اور بدمعاشی اختیار کریں اور مرتکب گناہوں کی ہوں جب حکام اپنے خواب غفلت سے بیدار ہوں اور ان گناہ گاروں کو سخت سزائیں دین جو ذراسی توجہ سرکاری سے اس بد نوبت کو کبھی نہ پہنچتے - جب یہ خیال کرتا ہوں کہ بعض صاحب یہ فرماتے ھیں کہ گورنمنٹ کو تربیت کے باب میں دخل نہ دینا چاہئے اور وہ صاحب نہایت عاقل اور صاحب لیاقت اور ذی علم ھیں - میں بہت حیران اور متعجب ہوتا ہوں - میری دانست میں باعث اسکا کہ کیوں ایسے ایسے صاحب لیاقت آدمی طرفدار اس بے معنی بات کے ھیں - یہ معلوم ہوتا ھے کہ انکے دل میں یہ سمائی ہوئی ھے کہ جیسا کہ گورنمنٹ کو تجارت کے باب میں دخل نہیں دینا چاہئے اسی طور سے تربیت کے باب میں بھی سرکار کو کچھ کام نہیں اور اسکا باعث یہ ہوا کہ رعایا نے مدت تک واسطے بیدخلی سرکار کے تجارت کے بات میں تکرار کی اور آخر کو گورنمنٹ کو لاچار کرکے بیدخلی سرکار کی اس باب میں کردی - فی الحقیقت یہ میری رائے ھے کہ تجارت کے باب میں بیدخلی گورنمنٹ کی ضرور تھی لیکن تربیت کے باب میں بیدخلی سے بہت نقصان متصور ھیں اور رعایا تباہ ہوتی ھے اور اس واسطے قیاس کرنا بیدچلی تجارت کی سے بیدخلی تربیت عوام کی ایک بڑی غلطی ھے اور وجہ اسکی یہ ھے کہ تجارت اور تربیت میں آسمان زمین کا فرق ھے - اس بات میں کوئی شبہ نہیں ھے کہ گورنمنٹ کسی کو بورا نہ بیچنے دے بلکہ وہ خود بیچے تو بورا اس قدر اچھی نہیں ہوگی اور نہ اسکی قیمت اس قدر سستی ہوگی جس قدر کہ سوداگر لوگ بورا بے دخل سرکار کے اپنی طبعیت کے موافق بیچا کریں کیونکہ سب سوداگروں کی یہ غرض ہوگی کہ کسی طور سے خریدار ان کے زیادہ ہوں اور اس واسطے سب سوداگر حتی الامکان اچھی شئے ارزاں قیمت کو بیچنا چاہیں گے پس اس

صورت میں دخل دینا گورنمنٹ کا کچھ فایدہ نہیں رکھتا نقصان ہوگا۔ اگر کوئی سوداگر بری بورا کو گراں قیمت کر کے دکان میں رکھے تو اسکے خریدار کم ہوجائینگے اور وہ اُن سوداگروں کے پاس جائینگے جو اچھی قسم کی بورا اور سستی قیمت کو بیچتے ھیں اور اس ترکیب سے سوداگر مذکور کا کارخانہ بگڑ سکتا ھے اور وہ مفلس ہوسکتا ھے۔ خلاف اسکے اگر سوداگر مذکور اچھی چیز سستی قیمت کو بیچے اور سب خریداروں سے بااخلاق پیش آوے تو اسکے خریدار بھی بہت زیادہ ہوجائینگے اور چند روز میں وہ دولت مند ہوسکتا ھے اور اس واسطے یہ کہا جاتا ھے کہ تجارت کے باب میں بیدخلی گورنمنٹ کی اچھی ہوتی ھے لیکن اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا نسبت ھے درمیان تجارت اور تربیت عوام کے؟ وہ کون اشخاص ھیں جو عوام کی تربیت کے لئے مدارس بنانے کی اس قدر آرزو رکھتے ھیں جس قدر کہ بورا کا بیچنے والا اپنے خریداروں کو سستی اور اچھی قسم کی بورا بیچنے کی آرزو رکھتا ھے۔ یہ بات سچ ھے کہ بعض ایسے نیک اور رفاہ خلق کے چاہنے والے آدمی ھیں کہ اپنی دولت کو تربیت عوام کی میں صرف کرتے ھیں اور اکثر ان میں بھی ایک طرح کی خواہش ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی ہوتی ھے لیکن خدانخواستہ ان میں اس قسم کی دلی مخالفت نہیں ہوتی ھے جو سوداگروں وغیرہ میں پائی جاتی ھے جو یہ چاہتے ھیں کہ میں سب سے زیادہ دولت حاصل کروں اور دیوالہ نکلنے سے محفوظ رہوں۔ فی الحقیقت یہ خیال کرنا بڑی غلطی ھے کہ آدمیوں میں جو رفاہ عام کے خواہاں ھیں اسی قدر مخالفت ھے جس قدر کہ ان میں جو غرض نفسانی کے لئے دولت اور حشمت حاصل کیا چاہتے ھیں۔ کوئی آدمی نیک اور رفاہ خلق کا چاہنے والا ایسا نہیں کہ وہ اس بات کا خواہاں ہو کہ میرے سوائے اور کوئی سخاوت

نہ کرے اگر نیک آدمیوں میں یہ خیال ہوتا کہ دیکھئے کون سخاوت زیادہ کرے تو چاہئے تھا کہ جو مدد واسطے محتاجوں کے سرکار کی طرف سے مقرر ہے موقوف ہوجاتی- پس یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب مدرسوں اور مکتبوں میں جو واسطے تربیت غربا کے بنے ہیں گورنمنٹ کو لازم ہے کہ دخل دے اور ان کی مدد کرے- شہادت اس میری رائے کی کسی اور جائے سے ایسی اچھی نہیں آسکتی ہے جیسا کہ تصنیفات مسٹر ڈیوڈ ہیوم سے ملائی جاسکتی ہے وہ بعد بیان کرنے کے اکثر شغلوں رعایا اور پیشوں رعایا میں گورنمنٹ کو دخل دینا نہ چاہئے وہ پیشے والے اسکی مخالفت سے خود بخود اچھے کام بنا دیں گے اور خلقت کو فایدہ پہنچائیں گے- یہ صاحب ایک جائے یہ بھی لکھتے ہیں کہ بعض ایسے بھی شغل اور پیشے ہیں جو ملک کے واسطے بہت مفید ہیں لیکن ان میں اس قدر فایدہ متصور نہیں ہے کہ ان میں گورنمنٹ بالکل دخل نہ دے اور مدد نہ کرے اور پھر بھی وہ قائم رهیں ان پیشوں میں گورنمنٹ کو لازم ہے یا تو روپیے سے یا مرتبہ بخشنے سے یا دونو طرح سے مدد کرے اب میں دعوی کرتا ہوں کہ اگر کوئی پیشہ اس قسم کا ہے تو وہ پیشہ مدرس کا ہے جو غربا کو تربیت کرتا ہے- اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے کہ اس قسم کا آدمی بہت ضرور اور مفید واسطے رفاہ خلق کے ہے اور اس میں بھی کوئی تکرار نہیں کرسکتا ہے کہ بغیر مدد سرکار کے اس پیشے سے اس قدر فایدہ حاصل نہیں ہوسکتا ہے اس سے صورت گذارہ کی معلوم ہو- پس یہ ایک خاص وہی صورت ہے جس میں مدد سرکار کی صریح ضرور ہے یہاں تک ہمیں دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ ان آدمیوں میں جو نیک ہیں اور جو رفاہ خلق کی چاہتے ہیں صرف اس بات کہ فلانا فلانے سے سخاوت میں سبقت لے جائے- یہ بات تربیت عوام کے باب میں عمل میں اچھی طرح سے نہیں آسکتی ہے-

اور اب دیکھو مشاہدہ اور تجربے سے کیا ثابت ہوتا ہے ۔ مدت سے گورنمنٹ کچھ دخل تربیت عوام میں نہیں دیتی ہے پس اگر بے دخلی گورنمنٹ سے اور ایک دوسرے کی سبقت لے جائیگی آرزو سے تربیت عوام کی ترقی ہوتی جیسا کہ تجارت کے باب میں ہے تو انگلستان میں تربیت عوام کی کو اسی قدر فروغ ہوتا جیسا کہ تجارت کی زیادتی ہم بالفضل پاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امتحان بے دخلی گورنمنٹ کا تربیت عوام کے باب میں خوب ہوا ہے انگلستان میں دولت بھی بہت رہی اور یہاں کی خلقت تربیت کی خواہاں بھی ہے پس اگر بے دخلی سرکار اور رعایا کی اس سے آرزو سبقت لے جانے کی سے کچھ فایدہ تربیت کے باب میں ہوسکتا ہے تو اس ملک میں اس کا ظہور ہونا چاہئیے تھا اس سے لازم ہے کہ یہاں بہت سے مدارس واسطے رعایا کی تربیت کے پائے جائیں اور جو آدمی ان میں تربیت یافتہ ہوں اُن میں بہت عقل اور علم پایا جائے ۔ ہر مدرسے میں ایک چھوٹا سا کتب خانہ اور آلات حکمیہ وغیرہ پائے جائیں اور بجائے ایک جاہل بوڑھے کے جو پڑھنا لکھنا خاک نہیں جانتے ہیں اکثر آدمی لایق اور تربیت یافتہ جا یا کریں علاوہ ازاین مدرس مدرسے کے ایسے ہوں جو اپنے کام سے اس قدر واقف ہوں جیسا کہ چاقو بنانے والا اپنے کام سے یا جیسا کہ معمار کلوں سے واقف ہوتا ہے ۔ علاوہ ازاین تنخواہ بھی اس کی معقول ہووے ۔ اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سب باتیں نفس الامر میں پائی جاتی ہیں ۔ دیکھو مختلف رپوٹوں کو جو صاحبان جج نے درباب مقدمات کے کہ سامنے جیوری یعنی پنچوں کے فیصل کی جاتی ہیں پیش کی ہیں یا اور رپوٹوں کو جو اور کارخانہ جات سرکاری میں آتی ہیں اور جن میں ذرا بھی ذکر تربیت کے باب میں ہے تو خلاف اسکے پایا جائے گا ۔ جو بعض کی دانست میں بیدخلی گورنمنٹ سے

تربیت کے باب میں متصور ہے ۔ میرے دوست نے بہت چند تجربہ اور باتیں ثبوت میرے دعوی کی بیان کی ہیں اب اور زیادہ انہیں بیان کرتا ہوں۔ ملاحظہ کرو رپورٹوں ان افسروں کو جو واسطے تحقیقات حال جیل خانوں کے مقرر ہیں اور ان سے معلوم ہوگا کہ ہرٹ فورڈ کے قید خانے میں (۸۰۰) قیدی ہیں اور ان میں سے آدھے بالکل پڑھ لکھ نہیں سکتے ہیں اور فقط آٹھ ایسے آدمی ہیں جو اچھی طرح سے پڑھ لکھ سکتے ہیں۔ میڈ سٹون کے جیل خانے میں منجملہ (۸۰۰۰) قیدیوں کے (۱۳۰۰) بالکل پڑھ لکھ نہیں سکتے ہیں اور فقط (۱۵۰) اچھی طرح سے لکھ پڑھ سکتے ہیں ۔ کولڈ باتھ فیلڈر کے جیل جانے میں منجملہ (۸۰۰۰) قیدیوں کے ایک بھی ایسا آدمی نہیں جو اچھی طرح سے لکھ پڑھ سکے اب اگر رپورٹوں قید خانوں کی سے پھر کے توجھ طرف نقشہ شادیوں کے ہوں تو دریافت ہوگا کہ زیادہ (۴۰۰۰۰) اور قریب (۶۰۰۰۰) اپنے نام بوقت نکاح کے نہ لکھ سکی فقط ایک نشان بجائے نام کے کردیا ۔ یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تہائی تو مرد اور آدھی عورتیں جو بالفعل عالم جوانی میں ہیں اور ان کی اولاد پیدا ہوگی ایسی جاہل ہیں کہ اپنا نام نہیں لکھ سکتی ہیں اب بتائیے کہ ان سب باتوں سے کیا معلوم ہوتا ہے الا یہ کہ تربیت عوام کو حاصل نہیں ہے علاوہ ازیں جو اپنا نام لکھ سکتی ہیں اغلب ہے کہ انکو ایسی تربیت ہوئی ہو کہ انکے دل پر کچھ اثر اسکا نہوا ہو گو انہیں نقوش کھینچنے آگئے ہوں ۔ یہ لوگ ایسے مدرسوں میں پڑھائے جاتے ہیں جہاں ایک بڑا سا مکان ہے اور ایک طرف کو لکڑئیں واسطے آگ روشن کرنے کے پڑی ہوئی ہیں اور ایک طرف ایک گروہ مرغی کے بچوں کا پھرتا ہے اور جہاں بجائے کتابوں وغیرہ کے ایک بڑی سی شروع کی کتاب اور ٹوٹے پھوٹے سے تختے ہیں ۔

اب اتالیقوں کا حال سنئے - بجائے ایسے معلموں کے جواب خوب علم
تحصیل کرکے اپنے طالب علموں کو تربیت کریں اور مستحق ادب اور لحاظ
اور قدردانی کے ہوں، وہ لوگ مدرس ہیں جو ہر پیشے میں سب سے برے
ہیں مثلاً خدمت گار جو بسبب کسی خطا کے موقوف کئے گئے ہیں یا بساطی
اور وہ سوداگر لوگ جن کا کاروبار بگڑ گیا ہے اور جن کو ایک حساب
تک نہیں آتا ہے اور ایک سہل خط نہیں لکھ سکتے ہیں اور جو نہیں
جانتے ہیں کہ آیا زمین کی شکل چوکھوٹی ہے یا گول کروی ہے اور جن کو
یہ خبر نہیں ہے کہ یروشالم یعنی بیت المقدس ایشیاء میں ہے یا امریکہ میں
جن کے اعتبار کی یہ صورت ہے کہ کوئی بھلا مانس اپنے کوٹھے کی کنجی
کبھی نہ سونپے اور کوئی سوداگر اپنا پیغام دیکر نہ بھیجے - ایسے ایسے
آدمی ہیں جن کو تم صاحب اتالیق ان بچوں کا بتاتے ہو جو آیندہ کاروبار
دنیا میں مشغول ہونگے اور جن کی عقل اور دانائی پر آیندہ کا اوج اور
بزرگی اس ولایت کی موقوف ہے - اب میں اپنے کلام کی ایک نئی شہادت
لاتا ہوں اور وہ شہادت بڑی ہے - واضح ہو کہ ۱۶ ماہ مئی سنہ ۱۸۴۶ء
کو بخدمت کمیٹی کونگری گیشنل یونین کے مسٹر اڈورڈ بینس نے ایک رپورٹ
تربیت عوام کے باب میں پیش کی اور اس میں یہ عبارت ذیل درج ہے -
تحقیق اور ظاہر کرنا ان باتوں کا جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان
میں عوام بہت جاہل ہیں اور علم اور عقل سے بے بہرہ ہیں ایک امر
مشکل نہیں ہے جو کچھ صاحبان کمیٹی مذکور کو معلوم ہے یا جو کچھ انہیں
اپنی تحقیقات سے مختلف مقاموں پر معلوم ہو گیا ہے یا جو کچھ کاغذون
رجسٹر جنرل صاحب کے سے اور رپورٹوں چند قانون انگلنڈ اور ویلز سے کہ بحکم
صاحبان کچہری وکلائے رعایا کے جاری کئے گئے ہیں یہ ہویدا ہے کہ
تربیت عوام کے باب میں سرکار سے بڑی تغافلی ہوتی ہے اور ہمیں نہایت

شرمندگی حاصل ہوتی ھے کہ خاص ولایت انگلستان میں جس وقت کوئی
مسافر اور ولایت کا آوے تو وہ عوام لوگ اس قدر جاہل اور نا تربیت یافتہ
اور خارج از عقل اور بے تمیز پائے جائیں - یہ عبارت رپورٹ مذکور میں سے
ھے اور ظاہر ھے کہ یہ میری رائے کے بالکل مطابق ھے - مجھے یقین کلی
ھے کہ انگلستان میں حال تربیت عوام بہت برا ھے اور فی الحقیقت جو کوئی
غیر ولایت کا آوے ہماری ولایت میں آکر یہاں کا یہ برا حال دیکھے تو
ہمیں بہت جائے شرم کی ھے - اب یہ تو حال تربیت عوام کا ھے پھر بھی
دیکھو بعض لوگ کیا کہتے ھیں - وہ فرماتے ھیں کہ جیساکہ بیدخلی گورنمنٹ
سے اور صرف آپس کی خواہش رسوخیت سے تجارت کی ترقی ہوتی ھے اسی
طور سے بہ سبب اسکے کہ چند نیک آدمی جو رفاہ عام کو بہت چاہتے ھیں
اپنی اپنی رسوخیت کیلئے اس بات کے خواہاں ہوں گے کہ تربیت عوام کی
ترقی کرنے میں ہم ایک دوسرے سے سبقت لیجاویں تربیت عوام کی
خود بخود زیادتی پکڑے گی - اب ہم پوچھتے ھیں کہ واسطے امتحان اس
رائے شریف کے کب تک انتظار کریں بتائیے - سنہ ۲۸۲۷ تک انتظاری کریں
یا سنہ ۳۸٤۷ تک اب ہم پوچھتے ھیں کہ کیا امتحان اس رائے کا اچھی
طرح سے یا مدت کافی تک نہیں ہوا ھے ؟ یہ تو صریح غلط ھے - پس
سب صاحبوں سے عرض کرتا ہوں کہ دیکھیں تو کیونکر قاعدہ اپنی اپنی
رسوخیت کا جو تجارت کے باب میں بہت مفید ھے تربیت کے باب میں جاری
ہوسکتا ھے - اب اسکاٹ لینڈ کے حال سے ایک مشاہدہ واسطے ثبوت
اپنے دعوے کے بیان کریں گے - واضح ہو کہ اس ملک کے آدمی ہر لحاظ
سے اہل انگلینڈ کی مانند ھیں الا یہ کہ وہاں اس قدر دولت نہیں جیساکہ
انگلستان میں ھے - قریب ۱۵۰ یا ۲۰۰ برس گذرے ھیں کہ اہل اسکاٹ لینڈ
کو بہت حقارت سے لوگ دیکھتے تھے اور دو چار آدمی مثل فلیچر صاحب

اور سیلڈون صاحب کے اس ملک میں عاقل اور عالم تھے وہ اپنے ہم وطنوں
کا حال دیکھ کر نہایت افسوس کیا کرتے تھے - سترویں صدی کے آخر میں
لاچار ہوکر فلیچر صاحب نے ایک رسالہ جاری کیا اور اس میں اپنی رائے
یہ بیان کی کہ اہل اسکاٹ لینڈ بہت جاہل اور سست ھیں اس واسطے چاہئے کہ
طریقہ غلامی کا اس ملک میں اختیار کیا جائے تاکہ ان لوگوں کو زبردستی
محنت کرنی پڑے - دو مہینہ بعد اجرائے اس رسالے پارلیمنٹ، اسکاٹ لینڈ نے
مدارس کی تقرری کو واسطے تربیت عوام کے حکم دیا - اب ذرا غور کرنا چاہئے
کہ ساری دنیا میں ایسی مثال جو مفید ہونے تربیت عوام پر دلایت کرتی
ھے نہیں ھے جیسا کے اٹھارویں صدی کے شروع میں اسکاٹ لینڈ میں
مشاہدہ کی گئی ھے - چند مدت میں باشندے اس پہاڑی اور سرد ولایت کے
کچھ اور ہی ہوگئے اور اگرچہ اس ولایت میں زمین اکثر بنجر ھے پھر بھی
انھیں وہ عقل اور علم حاصل ہوا ھے کہ انھیں اور ملکوں کو دیکھکر جن میں
زمین بہت زرخیز ھے کچھ حسد نہیں آتا ھے - جہاں کہیں باشندہ اسکاٹ لینڈ
کا گیا وہیں اپنی عقل اور علم کو ساتھ لے گیا اور عزت حاصل کی - یہ قوم
اب تو تجارت کرنے لگی ھے - سپاہ میں افسر بننے لگی ھے - اب بتاؤ کہ
کیا اسکاٹ لینڈ کے آدمیوں کا خمیر بدل گیا ھے؟ یہ تو صریح غلط ھے -
آدمی تو وہی ھیں لیکن یہ تربیت کا اثر ھے - اب دیکھا چاہیئے کہ تربیت
عوام کا قاعدہ صرف چند مدت سے جاری ھے - اور اس ملک کا حال
بالکل تبدیل ہوگیا ھے - اب بجائے حقارت کے آدمی اسکاٹ لینڈ کی خلقت
کو دیکھکر عش عش اور حسد کرتے ھیں - جب بہ سبب تربیت عوام کے
اسکاٹ لینڈ میں یہ ترقی عقل اور علم کی حاصل ہوئی تو اور قوموں کے
لوگ اکثر بطور فریاد اور حسد کے زبان پر لائے کہ صاحب جہاں کوئی
شخص قوم اسکاٹ لینڈ میں سے جاتا ھے وہاں وہ اپنے استحقاق سے مرتبہ

زیادہ حاصل کرتا ہے اور خواہ کوئی اہل انگلینڈ اور خواہ کوئی اہل ایرلینڈ
سے ہو وہ ہمیشہ ان سے سبقت لے جاتا ہے اور جس طریقہ سے پانی میں
تیل ہمیشہ اوپر آجاتا ہے اسی طور سے وہ ان سے بلند ہو جاتا ہے - اب
ہم پوچھتے ہیں کہ کیا وہ طریقہ تربیت عوام کا جو اسکاٹ لینڈ میں جاری
ہوا تھا اور جس سے ایسے نتائج مفید نکلے تھے بالکل بے نقصان اور
بے عیب تھا ؟ فی الحقیقت اس میں کئی عیب تھے اور اس پر بہت سے
اعتراضات ہوسکتے ہیں - خصوصاً درباب طرفداری خاص اہل دین کے -
گو کچھ عیب اور نقصان اس طریقہ تربیت میں پائے جاتے ہوں پھر بھی
اس سے فایدہ عظیم اہل اسکاٹ لینڈ کو پہنچا ہے اور وہ بزرگی حاصل
ہوئی ہے کہ وہ شخص بھی جو پکار پکار کر کہتے ہیں کہ گورنمنٹ کو تربیت
عوام کے باب میں دخل نہ دینا چاہیئے اور آدمی خود بخود واسطے اپنی
بزرگی اور نیک نامی کے مدارس واسطے تربیت عوام کے قائم کرلیں گے ،
اس بات کا ضرور اقرار کریں گے کہ اگر ملک اسکاٹ لینڈ میں تربیت عوام
کیلئے سرکار کی طرف سے مدد نہوتی تو وہاں کے لوگ ایسا وقار اور حوصلہ
اور علم بھی حاصل نہیں کرتے جو انھیں بالفعل حاصل ہے - اب غور فرمائیے
کہ اب کیا ثابت ہوتا ہے - میری دانست میں کوئی ایسا مطلب علم انتظام
میں نہیں ہے جو اس قدر بذریعہ دلائل استقراری کے ثابت ہو جس قدر
کہ تربیت عوام کا ہوا ہے - جو جو قاعدے جناب بیکن صاحب نے اپنی کتاب
نئے اعتراضوں میں درباب دلائل استقرائی کے بیان کئے ہیں ان کے
موافق مطلب مذکور ثابت ہوتا ہے - اب ذرا غور کیجئے حال انگلستان اور
اسکاٹ لینڈ پر - سب پر روشن ہے کہ انگلستان مین بہ نسبت اسکاٹ لینڈ
کے زیادہ دولت مند آدمی ہیں - اور اسی باعث سے یہاں دولت مند آدمی
خود بخود اپنی بزرگی اور نیک نامی کے لئے تربیت عوام کے باب میں

بہت کچھ کر سکتے ہیں - پھر بھی تم جانتے ہو کہ صاحبان کونگری گیشنل یونین کیا کہتے ہیں کہ انگلستان میں تربیت کا بہت برا نقشہ ہے اور جائے شرم کی ہے جبکہ اور ولایت کا مسافر ہماری ولایت میں حال تربیت کا مشاہدہ کرتا ہے - خلاف اسکے دوسرے ملک یعنی اسکاٹ لینڈ میں گو وہاں زمین بنجر اور پہاڑی ہے اور سردی بھی بہت ہے ایک قاعدہ واسطے تربیت عوام کے مقرر ہے اور اسکے باعث سے خلقت وہاں کی نے وہ اوج اور بزرگی عقل اور اخلاق میں حاصل کی ہے اور اس قدر حفاظت جان اور مال کی اس ملک میں ہے کہ دنیا میں ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا تھا - جائے تعجب ہے کہ اگر مثل دلائل تجربوں مذکورالصدر کے حکمت یا کیمیاء وغیرہ کے باب میں لائے جائیں تو ہم بیشک فوراً معلوم کر لیتے تھے کہ یہ بات غلط ہے اور یہ صحیح تو تربیت کے باب میں شبہ کیونکر کر سکتے ہو - جو جو دلائل اور تجربہ وغیرہ اوپر بیان ہوئے ہیں ان سے یہ بات مجھے تحقیق ہوئی ہے کہ گورنمنٹ کو لازم ہے کہ تربیت عوام میں دخل دے اور کوشش اور مدد کرے اور یہ ایک ایسی خوب بات ہے کہ اسکے اظہار میں میں کبھی تامل نہیں کروں گا - خواہ کوئی خفا ہو یا خوش - اب میں کلام کرتا ہوں درباب خرچ کے جو تربیت عوام کی میں ہونا چاہئے - واضح ہو کہ اگر تربیت عوام کے باب میں گورنمنٹ کو دخل دینا ضرور نہو تو اس بات میں کچھ بھی صرف کرنا نہ چاہئے لیکن اگر دلائل گذشتہ سے جو میں نے بیان کئے ہیں یہ ثابت ہو گیا ہو کہ گورنمنٹ پر تربیت کرنا عوام کا لازم ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا تم چند لاکھ روپئے کے خرچ کرنے کی دقت سے اس کار خیر اور رفاہ عام سے باز رہوگے؟ اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ جو کچھ خرچ اس کار نیک میں ہوئے اس سے بیشمار فایدہ یہ ہوگا کہ رعایا جاہل، تربیت یافتہ اور عاقل ہو جائے گی - مجھے یہ بھی یقین ہے کہ

اس خرچ کے عوض میں اس سے زیادہ تو اس میں فایدہ حاصل ہو جائیگا کہ خرچ جیل خانوں اور فوجداری کے اخراجات اکثر کم ہو جائیں گے یعنی وہ خرچ جو سزا دینے گنہگاروں میں صرف ہوتا ھے بہت کم ہو جائیگا۔ بعض صاحب اعتراض کرتے ھیں کہ گورنمنٹ کو اختیار مقرر کرنے مدارس کا واسطے تربیت عوام کے حاصل ہو جائے گا تو اس صورت میں جسکو بادشاہ چاہے گا اس کو مدرس مقرر کردے گا اور اس باعث سے اختیار بادشاہ کا زیادہ ہو جائے گا اور پارلیمنٹ کے اختیار میں کمی ہو جائیگی۔ اسکا جواب یہ ھے کہ تربیت کے اخراجات اور انتظام میں بہت سی ایسی باتیں ھیں کہ بادشاہ کچھ زیادتی نہیں کرسکتا بلکہ اس مقدمے میں ایک خصوصیت ھے کہ وہ اور مقدموں ریاست میں نہیں پائی جاتی ھے اور وہ یہ ھے کہ فقط یہی نہیں ہوگا کہ گورنمنٹ ہر سال روپیہ واسطے خرچ تربیت عوام کے پارلیمنٹ سے طلب کرے گی جیسا کہ واسطے خرچ فوج اور جہازوں اور توپ خانہ وغیرہ کے عمل میں آتا ھے بلکہ اس مقدمے میں گورنمنٹ تابع ان آدمیوں کے ہوگی جو مقاموں مختلف میں تربیت عوام میں بہت کوشش کرتے ہونگے اور یہ آدمی اکثر ایسے ھیں جو گورنمنٹ سے کچھ غرض نہیں رکھتے ھیں۔ تم جو اعتراض کرتے ہو کہ بادشاہ چاہے جسے مدرس مقرر کرے گا اور چاہے جس قدر اسکی تنخواہ کردے گا یہاں تک کہ مدرس لوگ طرفدار بادشاہ کے ہو جائیں گے اسکے جواب میں تمھیں یاد رکھنا چاہئے کہ اول تو بادشاہ مدرس کو نہیں مقرر کرتا ھے اور دوم جب وہ مقرر ہو جاتے ھیں تو وہ انکو موقوف نہیں کرسکتا ھے اور سویم صاحبان مہتمم مدرسہ کے جو گورنمنٹ سے کچھ تعلق نہیں رکھتے ھیں۔ مدرس کو جب چاہے موقوف کرسکتے ھیں۔ چہارم یہ کہ مدرس کو کچھ بطریق تنخواہ وغیرہ کے نہیں مل سکتا ھے جب تک کہ صاحبان مہتمم مذکور

اس کی اچھی رپورٹ بخدمت گورنمنٹ کے نہ کریں اور یہ بات بیان نہ کریں
کہ وہ مستحق کچھ مدد کا ہے اور یہ رپوٹ کوئی شخص جو بالکل تعلق
گورنمنٹ سے نہیں رکھتا ہے کر سکتا ہے - کس واسطے کہ ۱۵۰ روپیہ سالانہ
سرکار کی طرف سے اس صورت میں مل سکتا ہے جبکہ صاحبان مہتمم اسے
مستحق اسکا تصور کریں اور ۳۰۰ روپیے سالانہ اسے خاص اپنے پاس سے بھی
دیں - پس اب ظاہر ہے کہ جو روپیہ سرکار کی طرف سے واسطے تربیت عوام
کے مقرر ہوگا وہ اس خوبی اور انتظام سے صرف ہوگا کہ وہ اور انتظام
اور اخرجات میں نہیں پایا جاتا ہے - فرض کرو کہ یہ بات مشہور ہوجائے
کہ کوئی مدرس کسی وجہ سے طرفداری کسی کی بہ نظر اس کے کہ اسے
۱۵۰ روپیے سالانہ ملا کرے تو تعجب نہیں ہے کہ صاحبان مہتمم مدرسہ
کچھ اس مدرس کے بارے میں نہ لکھیں گے اور اس ترکیب سے اس
مدرس کو ایک کوڑی نہیں ہاتھ لگ سکتی ہے یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ بہ سبب
دخل گورنمنٹ کے تربیت عوام کے باب میں گورنمنٹ کو یہ بات نہیں
حاصل ہوجائے گی کہ لوگ مثل مدرسوں وغیرہ کے بنظر اپنے فائدے کے
اسکے طرفدار ہوجائیں - غرض یہ ہے کہ جب مدرس لوگ جانتے ہیں کہ
سرکار کی طرف سے تو ہمیں صرف ۱۵۰ روپیہ مل سکتا ہے اور صاحبان
مہتمم کی طرف سے ۳۰۰ روپیے تو انہیں کیا غرض ہے کہ وہ سرکار کی
طرفداری کسی مقدمے میں کریں ایک بڑا اعتراض چند صاحب واسطے
دخل گورنمنٹ کے تربیت عوام کے باب میں یہ کرتے ہیں کہ اگر گورنمنٹ
واسطے تربیت عوام کے روپیہ دے گی تو اور لوگ جو سوائے گورنمنٹ کے
ہیں اپنی خاص آمدنی سے واسطے ترقی تربیت مذکور کے کچھ روپیے
نہ دے گی اور وہ کہیں گے کہ ہماری مدد کیا ضرور ہے جب سرکار اس میں
مدد کرتی ہے پس اس صورت میں سرکار جو چھ کروڑ روپیہ سالانہ

تربیت کے واسطے صرف کرے گی اس سے بجائے ترقی کے تنزل تربیت
عوام میں ہوگا ـ میں حیران ہوں کہ صاحب معترض تجویز گورنمنٹ کی تربیت
عوام کے باب میں نہ سمجھے ـ واضح ہو کہ گورنمنٹ نے ایسی تجویز کی
ہے کہ گو سرکار کی طرف سے مدد ہو پھر بھی اور اشخاص بھی اس مقدمے
میں مدد کریں گے اور اگر یہ دریافت ہووے گا کہ بہ سبب مدد گورنمنٹ کے
اور آدمیوں کا جوش اور خواہش مدد کرنے میں واسطے تربیت عوام کے
گھٹ گئی ہے یا جاتی رہی ہے تو اس صورت میں گورنمنٹ اپنی مدد
موقوف کرے گی اور صاحبان پارلیمنٹ کو ایک کوڑی واسطے تربیت عوام
کے نہ دینی پڑے گی اگر ہمیں کبھی دو کروڑ روپیہ واسطے اس مطلب عظیم
کے دینے پڑیں تو اسکا باعث یہ ہوگا کہ سوائے گورنمنٹ کے جو اور خلقت
ہے انہیں بھی بڑی توجہ طرف تربیت عوام کے ہوگی کس واسطے کہ قبل از
طلب ہونے روپیہ مذکور کے آدمیوں کو اس قدر جوش و خروش واسطے
تربیت عوام کے ہوگا کہ وہ کم سے کم چار کروڑ روپئے دینے کے واسطے
موجود ہوں گے اب مجھے یقین ہے کہ میں نے جواب اعتراضوں کا جو
در باب صرف روپیہ کے بیچ تربیت عوام کے اور در باب طرفداری وغیرہ
کے کئے گئے تھے دے دیا ہے ـ اب ایک اعتراض اور باقی رہتا ہے اور
وہ یہ ہے ـ میرے دوست وکیل ضلع فنز بری کے فرماتے ہیں کہ تربیت
عوام کے باب میں گورنمنٹ کو دخل دینا بالکل خلاف قوانین انگلستان کے
ہے لیکن میرے دوست مذکور نے یہ نہیں بیان کیا کہ کونسے قانون کے
برخلاف کرکے گورنمنٹ نے تربیت عوام میں دخل دیا ہے ـ وہ فرماتے
ہیں کہ وہ کونسل جو خاص واسطے تربیت عوام کے انتظام کے مقرر ہوئی ہے
وہ خود بخود مقرر ہوئی ہے اور کوئی قانون یا حکم ایسا نہیں کہ جس کی
اجازت سے وہ مقرر ہوئی ہے لیکن میری دانست میں یہ کونسل بھی اسی

طور سے موافق قوانین کے بنی ہے جیسا کہ اور حکام مقرر ہوئے ہیں۔ واضح ہو کہ بادشاہ نے اپنے وزراء کی اصلاح سے اس کونسل کو مقرر کیا ہے اور اس کونسل کے مقرر کرنے میں کچھ ضرورت واسطے اجازت پارلیمنٹ کے نہیں تھی۔ سب آدمیوں کو اختیار ہے کہ اپنی طرف سے چند آدمیوں کو مقرر کریں اور ان کے ذریعے سے تجاویز واسطے کسی بات رفاہ عوام مثل تربیت عوام کے کریں۔ اس طور سے بادشاہ کو بھی ضرور یہ اختیار ہوسکتا لیکن البتہ جب تجاویز تربیت عوام کے باب میں ہو جائیں اور واسطے تعمیل اُن تجاویز کے روپیہ ضرور ہو تو اس صورت میں بادشاہ کو چاہئے کہ صاحبان پارلیمنٹ سے واسطے روپیہ مذکور کے درخواست کرے مثلاً بتاؤ کہ کیا مجھے یہ اختیار نہیں پہنچتا ہے کہ میں تربیت لڑکوں کی میں کوشش کروں اور تنخواہ غریب طالب علموں کو دوں اور مدرس مقرر کروں۔ غرض یہ کہ جس پاس روپیہ ہو وہ چاہے جو کچھ تربیت عوام میں کوشش کرسکتا ہے پس جب مجھ سے آدمی کو اتنا اختیار حاصل ہے تو بادشاہ جو کہ حاکم اکبر ہے اور اس کو کیوں نہیں پہنچ سکتا ہے؟ پس اب عرض میری یہی ہے کہ سرکار کو ضرور درباب تربیت عوام کے دخل دینا چاہئے۔

(۲)

سوانحی مضامین

۱۔ حال فردوسی کا

۲۔ بیان حکیم آرشمیدس کا

۳۔ ذکر مہندس بھاسکر کا

حال فردوسی کا

ہماری رائے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں اسقدر شاعر گذرے ہوں گے جس قدر کہ فارس میں پائے گئے ہیں۔ بہت سی کتابیں فارسی نظم میں ایسی ہیں کہ پڑھنے کے لئے زندگی انسان کی کافی نہیں ہے لیکن سب شاعر ایسے نہیں ہیں کہ ان کی تصنیفات لایق پڑھنے کے ہیں لیکن چند ایسے ہیں جو لاثانی ہیں اور جن کی تصنیفات لایق پڑھنے کے ہیں۔ مثلاً حافظ ، فردوسی اور سعدی وغیرہ۔ واضح ہو کہ پہلے لوگ ایران کے دین محمدی نہیں رکھتے تھے۔ وہ آتش پرست تھے۔ اور اس وقت میں بہت سی کتابیں تاریخ وغیرہ کی نظم میں بیچ زبان فارسی کے تھیں اور ان نظم کی کتابوں میں بہت خوبی اور فصاحت سے حال دلیروں اور بادشاہوں سلف کا لکھا ہوا تھا اور از بسکہ بعض آدمی بڑے شجاع اور زور دار زمانے سلف میں ملک ایران میں گذرے تھے تو شاعروں نے ان کو دیو ٹھہرا دیا ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے ایران کو فتح کیا اس وقت بہ سبب لحاظ دین کے خلیفہ اور حکام اہل اسلام نے اکثر پرانی کتابوں ایرانی کو غارت کیا اور اس ترکیب سے قدیم اشعار اور نظم کی کتابیں ملک فارس میں کا نام و نشان نہیں رہا۔ ایسے برے حال میں نویں صدی عیسوی تک فارس رہا اور اس وقت خاندان عباسی کو تنزل ہوا اور کئی صوبہ دار اہل اسلام میں سے خاندان شاہی سے آزاد ہو گئے اور علحدہ علحدہ بادشاہ بن بیٹھے اور ان بادشاہوں نے قدردانی علوم و فنون کی بخوبی کی لیکن اس وقت تک کوئی بڑا شاعر فاضل نہ نمودار ہوا تھا لیکن جب آخیر کو دسویں صدی عیسوی میں محمود غزنوی نے شرقی

اضلاع ایران کے فتح کئے تو اس عہد میں ہم فردوسی کا نام سنتے ہیں۔
حقیقت میں یہ بڑا شاعر تھا اور ایران کے فن شاعری کا رونق دینے والا
یہ شخص سنہ ۹۴۰ عیسوی میں بیچ گاؤں شاداب کے کہ ضلع طوس میں
جو ملک خراسان میں واقع ہے، پیدا ہوا تھا۔ اسکا باپ بطور باغبان کے
حاکم طوس کا نوکر تھا اور فردوسی اور اسکا بھائی کچھ محنت مزدوری
کر کے گذارہ کیا کرتے اور فردوسی کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنی محنت مزدوری
کرتا جاتا اور دل میں مختلف مضامین سوچا کرتا اور تحصیل علوم میں بھی
مشغول رہتا اور اس طرح سے بہت سے سال گذر گئے۔ اخیر کو ایک شخص
ان کے ہمسایوں میں سے فردوسی اور اسکے برادران سے عداوت رکھنے
لگا تھا اور ان سے اکثر تنازع رکھتا تھا اور اس باعث سے فردوسی بہت
پریشان خاطر ہوا اور اپنے بھائی سے کہا کہ اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی اور
ملک میں چل بسو لیکن یہ بات اسکے بھائی نے قبول نہ کی اور فردوسی
اکیلا وطن چھوڑ کر طرف غزنی کے راہی ہوا اور وہاں ان دنوں سلطان
محمود سلطنت کرتا تھا یہ بادشاہ قدردان علم کا تھا اور اہل علم اور ہنر
کی بہت خاطر کرتا۔ چنانچہ اسکے دربار میں بہت سے شاعر اور فاضل
موجود رہتے تھے اس اوقات میں ایک پرانی تاریخ جس میں حال بادشاہوں
ایران کا جو قبل از پیدایش حضرت پیغمبر محمد صلی اللہ و سلم کے گذرے
تھے مندرج تھا، ظاہر ہوئی تھی اور سلطان محمود نے یہ چاہا تھا کہ کوئی
شاعر سب حال اُس پرانی تاریخ ایران مذکور کو شاعری میں اچھی طرح سے
بیان کرے اور اس کتاب کے ذریعے سے اسکی نیک نامی ہمیشہ رہے۔
اکثر شاعروں نے کچھ کچھ نمونہ اپنی اپنی لیاقتوں کا سلطان مذکور کی
خدمت میں پیش کیا اور فردوسی بیان کرتا ہے کہ جب میں شہر غزنی میں
وارد ہوا تو میں نہایت حیران ہوا کہ میں کس طور سے رسائی سلطان تک

حاصل کروں اور اپنی لیاقت اسکے رو برو ظاہر کروں لیکن اخیر کو ایک کتاب مسمی «ماسه نامه» که جس کے نام کی ہم کو صحت نہیں ھے، ایک نسخه اسکے ہاتھ آیا اس میں سے اس نے چند مقاموں کو نظم میں لکھ کز ایک اپنے دوست کی معرفت سلطان محمود کی خدمت میں بھیجا اور محمود نے ان اشعار کو ملاحظه کر کے اُنھیں نہایت پسند کیا اور فرمایا که تاریخ مذکور زمانه سلف ایران کی فردوسی تیار کرے اور سلطان نے قرار کیا که فی شعر ایک اشرفی دوں گا اور فردوسی نے یه معلوم کر کے خوشی خوشی اس کار عظیم کو اس امید سے که بذریعه اس ترکیب کے ایک تو ہمیشه کو نیک نامی اور دوم دولت حاصل ہوگی اختیار کیا - فردوسی ہمه تن اس کتاب کے تیار کرنے میں مصروف ہوگیا اور تیس برس تک محنت کرتا رہا اور آخر کو وہ کتاب مذکور تاریخ کی که جسکا نام «شاہنامه» رکھا گیا تیار ہوئی لیکن اس عرصه میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوئیں تھیں - جو پرانے دوست فردوسی کے تھے وہ یا تو راہی ملک عدم کے ہوگئے تھے یا ان میں سے جوش و خروش دوستی کا جاتا رہا تھا اور بعض موقوف ہوگئے تھے اور دربار سلطان میں نئی نئی صورتیں نظر آتی تھیں اور یه نئے اشخاص بڈھے فردوسی کو دیکھ کر اسکی حقارت کرتے تھے جو به سبب تیزی فکروں اور کمال محنت کے بہت کم زور اور ناتوان ہوگیا تھا - اور علاوہ از این بد نصیبی فردوسی کا سبب یه بھی ہوا که ایک شخص ایاز تھا اسے بادشاہ بہت چاہتا تھا - اُس شخص اور فردوسی میں دشمنی ہوگئی اور اس واسطے اس نے سلطان کے کان میں بڑی بڑی باتیں نسبت فردوسی کے پھونکیں اور یه بیان کیا که فردوسی بادشاہ کے خلاف ھے اور دین محمدی سے پھرا ہوا ھے اور واسطے مضبوطی اس کلام کے اس نے یه کہا که فردوسی نے اپنی کتاب شاہنامه میں طریقه زردشت کی تعریف لکھی ھے - اگرچه اور

امور میں محمود بڑا عاقل تھا لیکن اس نے غیب فردوسی کو مان لیا اور جب اس شاعر بزرگ نے شاہنامہ کو تمام کرکے سلطان کی نذر کیا تو اس نے کچھ تعریف یا آفرین اسکی محنت پر نہ کی اور انعام مقرری کا تو کچھ ذکر بھی نہ کیا۔ فردوسی نے بہت مدت تک انتظار کیا کہ بادشاہ اسے اقرار کیا ہوا انعام بخشے تاکہ وہ اپنے وطن طوس جاکر اپنی باقی زندگی کو آرام سے بسر کرے لیکن سلطان نے اسے ایک کوڑی بھی نہ دی آخرکار فردوسی نے چند اشعار کہے کہ مضمون انکا یہ تھا کہ سلطان جو کہ مثل ایک بحر کے ھے اور گو میں نے اس میں غوطہ مارا لیکن موتی میرے ہاتھ نہ لگا تو وہ میری قسمت کی خطا ھے اور نہ سلطان کی فیاض کے بحر کی۔ لیکن چند عاقل آدمیوں نے سچ کہا ھے کہ جبکہ محمود «شاہنامہ» کے ملاحظہ سے نہ نرم ہوا تو چند اشعار کا تو اسے کیا خیال ہو۔ تو محمود نے بجائے اپنے اقرار پورا کرنیکے فردوسی کو ایک رنج دیا۔ تفصیل اسکی یہ ھے کہ سلطان نے جو یہ فردوسی سے اقرار کیا تھا کہ میں فی شعر ایک اشرفی دوں گا تو شاہنامہ کے ساٹھ ہزار اشعار ھیں تو بموجب اقرار کے اسے ساٹھ ہزار اشرفی فردوسی کو دینی لازم تھیں لیکن برعکس اسکے سلطان محمود نے بجائے ساٹھ ہزار اشرفی ساٹھ ہزار درم فردوسی کے پاس بھیجے اور یہ کہا کہ یہ انعام تیاری شاہنامے کا ھے۔ جس وقت یہ روپیہ پہنچا اس وقت فردوسی حمام میں غسل کر رہا تھا اور یہ خبر سنکر نہایت رنجیدہ اور غضبناک ہوا اور سلطان کو بہت سی گالیاں سنائیں اور اس سب روپیے کو اپنے نوکروں میں جو اس وقت موجود تھے تقسیم کردیا۔ یہ دیکھ کر جو افسر یہ درم لیکر آئے تھے واپس بادشاہ کے پاس گئے اور سب ماجرا بیان کیا۔ یہ سن کر محمود نہایت برہم ہوا اور حکم دیا کہ اس وقت فردوسی کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلوا کر مروا ڈالو لیکن

فردوسی نے بہت ہی عاجزی کی اور اپنی زندگی سلطان سے بخشوائی لیکن محنت بیس برس کی برباد گئی اور تمام اس کی امیدیں جاتی رہیں اور وہ دربار سے گھر کو چلا آیا اور ازبسکہ اسکے دل میں نہایت رنج تھا تو اس نے ایک ہجو سلطان کی لکھ کر اور اس پر اپنی مہر کر کر ایک کو حاضرین دربار کے پاس بھیج دی اور یہ کہا کہ جب سلطان امور ریاست کے باعث بہت دق ہو، اس وقت یہ کاغذ اسکے ہاتھ میں دیدینا - اس ہجو میں سلطان کی نہایت برائی لکھی ھے اور اس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ محمود بیٹا ایک غلام کا ھے - جب سلطان محمود نے یہ ہجو ملاحظہ کی تو وہ نہایت غضب میں آیا اور اس نے فردوسی کی تلاش میں اپنے آدمیوں کو ہر سمت میں بھیجا - اس وقت میں فردوسی نے شہر بغداد میں پناہ لی تھی اور جو وہاں خلیفہ تھے انہوں نے اس شاعر کی بڑی خاطر کی اور فردوسی نے اُنکی تعریف میں ایک ہزار شعر اپنی کتاب شاہنامے میں زیادہ کر دئے ان دنوں میں قادر باللہ خلیفہ بغداد میں تھے اور اُنکے پاس محمود غزنوی نے ایک سخت پیغام واسطے حوالہ کردینے فردوسی کے بھیجا اور چونکہ خلیفہ مذکور اس قدر طاقت نہ رکھتا تھا کہ سلطان غزنوی کا مقابلہ کر سکے تو اس باعث سے فردوسی یہاں سے بھی بھاگا اور منزلیں طے کرتا ہوا مدت تک آوارہ پھرا کیا اور یہ خوف اس پر ہر وقت طاری رہا کہ کوئی ملازم محمود کا اُسے گرفتار نہ کرے - اخیر کو جب وہ بہت مفلس اور بیمار ہوگیا تب اس نے طرف اپنے وطن طوس کے کوچ کیا اس ارادے سے کہ قبل از مرنے کے ایک دفعہ اپنے وطن کو اور دیکھ لوں - اس وقت میں فردوسی کی ایک بیٹی تھی اور یہ اسکے ساتھ تھی اور اسی کے باعث اس ایام پیری میں ذرا تشفی تھی - پس وہ اپنے وطن طوس میں پہنچ گیا - یہاں وہ اپنی اوائل عمر میں بطور باغبان کے نوکر تھا - اسنے یہیں وفات پائی اور اسی

مقام میں دفن ہوا۔ جب سلطان غزنوی نے حال وفات فردوسی کا سنا،
اُس نے بہت افسوس کیا اب اس نے ساٹھ ہزار اشرفیاں اسکی بیٹی مذکور
کے پاس بھیج دیں لیکن اس شاعر کی بیٹی بھی اسی قدر عالی مزاج جس
قدر کے اسکا باپ رکھتا تھا رکھتی تھی - اور اس عورت نے یہ اشرفیں
قبول نہ کیں اور کہا کہ ہمیں بادشاہوں کی دولت سے کیا غرض ہے -

بیان حکیم آرشمیدس کا

یہ فاضل یکتا زمان ہے - باشندہ شہر مکیوز کا جو کہ جزیرہ صقلیہ میں
واقع ہے تھا اور جزیرہ مذکور جنوب مغرب میں ملک یونان کے ہے - ارشمیدس
بڑا مشہور فاضل عالم علم ریاضی میں گذرا ہے - وہ علم ہیت اور علم ہندسہ
اور علم ادات اور جرثقیل اور علم آب اور علم مناظرہ میں کمال مہارت اور
دستگاہ رکھتا تھا - اُسکی تیزی عقل اور رسائی ذہن ان علموں میں تھی کہ
آج تک یونان میں ایسا حکیم کوئی نہیں گذرا ہے - اس نے علم جرثقیل کے
وسیلہ سے مصر میں جا کر ایسی کلیں ایجاد کیں کہ ان کے وسیلہ سے اس نے
پانی رود نیل میں سے بلند زمینوں مصر میں پہونچایا اس نے ایسی ایسی کلیں
ایجاد کیں، جن سے تھوڑی طاقت سے ہزاروں من بوجھ اٹھا سکیں - آرشمیدس
کو بادشاہ جزیرہ صقلیہ کا جس کا نام ہیرو تھا بہت عزیز رکھتا تھا ہر وقت
اس کی ملاقات اور حجت سے استفادہ حاصل کرتا تھا ایک روز کا ذکر ہے
کہ آرشمیدس نے حضور سے عرض کی کہ میں بوسیلہ علم جرثقیل کے اتنی
طاقت رکھتا ہوں کہ ذراسی طاقت سے ہزاروں من بوجھ اٹھالوں بلکہ اگر

مجھے کہیں بیٹھنے کو جگہ نہ ملے تو تمام تختہ زمین کو اٹھا سکتا ہوں۔ بادشاہ یہ سنکر بہت متعجب ہوا اور حکم دیا کہ کوئی بات اس علم میں سے ہم کو دکھا اس نے یہ بات قبول کی اور ایک کل تیار کی اور کنارہ دریا پر ایک جہاز کلان کھڑا ہوا تھا اس کو اس نے اس کل کے وسیلہ سے جہاز کو با آسانی تمام دریا میں سے خشکی پر کھینچ لیا اور کہا کہ یہ ایک ادنی نمونہ علم جر ثقیل کا ھے۔ بادشاہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا اور اس کی فضیلت اور دانائی کی بہت تحسین کی و آفرین کی اس قسم کی کلون کو فاضلان فرنگ نے بہت رواج دیا ھے اور اس علم میں بڑی ترقی کی ھے اور اب یہ علم صاحبان انگریز کے وسیلہ سے ھندوستان کے مدارس میں سکھایا جاتا ھے۔ ایک دفعہ کا مشہور ذکر ھے کہ ہیرو بادشاہ سریکیوز نے ایک تاج بادشاہی سونے کا تیار کرایا تھا۔ جب وہ تیار ہوکر بادشاہ کے سامنے لایا گیا بادشاہ نے اس کو بلوایا معلوم ہوا کہ سونے میں کچھ غبن نہیں ہوا ھے یعنی وہ تاج پورا اُترا مگر بادشاہ کے دل میں یہ شک گذرا کہ شاید کاریگر نے سونے میں کچھ کھوٹ ملایا ہو۔ اس واسطے حضور نے چاہا کہ کسی طرح بغیر گلانے اور ٹکڑے کرنے تاج کے حال کھوٹے کھرے ہونے سونے کا دریافت کروں۔ اس مطالب کے واسطے بادشاہ نے حکیم آرشمیدس کو طلب کیا آرشمیدس واسطے دریافت کرنے اس ترکیب کے مدت تک تفکر میں رہا۔ آخر کو ایک روز حیکم مذکور حمام مین غسل کررہا تھا اور غسل کے وقت اس کو ایک قاعدہ یکایک سوجھا۔ اس نے تب بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوکر تاج کو منگوایا اور اس کے برابر خالص سونا منگوایا پھر اسنے تاج اور سونے کو علحدہ علحدہ پانی میں تولا۔ تب دریافت ہوا کہ تاج بہ نسبت سونے خالص کے پانی میں ہلکا ھے۔ یعنی جس قدر سونا پانی میں ڈال کر تولنے سے گھٹتا ھے اُس سے زیادہ تاج گھٹ جاتا ھے اور اسی

سبب سے اس کے دل میں شک قوی پیدا ہوا کہ تاج میں کچھ کھوٹ ملا ہوا ہے اور درحقیقت جب بادشاہ نے اس تاج کو پگلواکر دیکھا تو اس میں کھوٹ نکلا اور اس سبب سے حکیم موصوف کی بہت تحسین اور آفرین ہوئی اور بموجب ایجاد اس حکیم کے کتب علوم فلسفہ میں واسطے دریافت حال کھوٹ وغیرہ بردھات کے یہ مسئلہ بھی درج ہوا۔ آرشمیدس کے شہر سریکیوز کو رومیوں نے گھیر لیا اور اس کا محاصرہ کرلیا تو بادشاہ اس جگہ نے بہت دق ہوکر آرشمیدس سے کہا۔ اس نے ایسی ایسی کلیں ایجاد کیں کہ رومیوں کو فتح کرنا شہر کا نہایت مشکل بلکہ نا ممکن ہوگیا آرشمیدس نے ایک آتشی شیشہ جس کی وسیلہ سے کرنیں معکوس ہوکر جاتی ہیں تیار کیا اور اسکے وسیلہ سے اس نے تمام جہازوں رومیوں کو جلا دیا غرض کے رومیوں کو شہر مذکور کو فتح کرنا ایک امر نہایت مشکل ہوگیا تھا لیکن آخرکار رومیوں نے شہر سری کیوز کو حملہ کرکے لے لیا اور دیکھا تو آرشمیدس بھی مقتولون میں پایا گیا۔ یہ حادثہ دو سو بارہ برس پیشتر سنہ عیسوی کے واقع ہوا تھا۔

ذکر مہندس بھاسکر کا

یہ شخص بہت بڑا عقل مند اور مہندس ہند میں گذرا ہے۔ اس کے برابر ذہین اور عاقل اور سچے علم کی پیروی کرنے والا کوئی اور شخص قوم ہندو میں نہیں ہوا ہے۔ یہ شخص بمقام شہر بنارس بیچ سنہ ۱۱۵۰ء کے پیدا ہوا تھا۔ اس شخص نے ہماری شاستر کی غلطیوں کو درست کیا لیکن

اکثر برہمن اس کے قول پر عمل نہیں کرتے۔ اگرچہ اُس کو اپنا بزرگ سمجھتے ہیں لیکن جو بڑے بڑے فاضل اور عاقل ہیں وہ اس کے کلام کو کلام پران پر ترجیح دیتے ہیں۔کسی شاستر میں لکھا ہے کہ زمین مثل دائرہ کے ہے اور کہیں یہ لکھا ہے کہ وہ مثل مثلث کے ہیں۔ بھاسکر نے ان باتوں کو رد کیا اور لکھا کہ زمین کی شکل کروی ہے۔ یہاں سے اسکے ذہن کو دیکھنا چاہئے۔ شاستر میں لکھا ہے کہ زمین سانپ کے پھن، کچھوے اور آٹھ ہاتھیوں پر سہارا پائے ہوئے ہے بھاسکر نے کہا کہ اگرچہ یہ شاستر میں لکھا ہے لیکن محض غلط ہے۔ اُس نے کہا کہ زمین ہوا میں ہمارے معبود حقیقی کے ہاتھ میں معلق ہے۔ شاستر میں لکھا ہے کہ اقلیم جمبو میں جو سمیرو پہاڑ ہے اُس کے پیچھے آفتاب چھپ جاتا ہے۔ اُس وقت رات ہو جاتی ہے۔ اسکو مہاراج بھاسکر نے غلط کہا اور فرمایا کہ یہ بات غلط ہے۔ غرض کہ اس طور پر اس کامل مہندس نے بہت سے غلطیاں نکالیں اور ان کی کتاب بہت مشہور و معروف سدھانت شرومنی ہے۔ یہ کتاب حساب میں مسمی نیلاوتی اپنے لڑکے کے واسطے اس نے تصنیف کی تھی اور یہ کتاب بہت مفید ہے اور بہت مشہور کتاب بیج گنت علم ریاضی میں نہایت عمدہ ہے اور اس میں جبر و مقابلہ ایسے اچھے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اہل عرب کے جبر و مقابلے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ خصوصاً جہاں کہ بھاسکر مہاراج نے مقادیر غیر منقطع کا بیان کیا ہے وہ واقعی بہت خوب ہے اور اس سے اسکی فضیلت اور قابلیت بخوبی عیاں ہوتی ہے۔ وفات کا سنہ اس مہندس اور حکیم اکمل کا معلوم نہیں۔

(۳)

علمی مضامین

۱- حال دور بین کا

۲- احوال برق و صاعقہ

۳- بیان بخارات اور ابر اور مینہ کا

٤- علم ہئیت

۵- حال خورد بین کا

حال دوربین کا

واضح ہو کہ ایجاد ہونے ان آلات سے جن میں شیشوں وغیرہ کا کام پڑتا ہے ان سے خلق کو نہایت فایدہ پہنچتا ہے - شروع میں سنہ ۱۴۰۰ عیسوی کے اول ہی اول ایک شخص فرنگی نے جسکا نام سیلو نیو تھا اور جو شہر فلورنس میں کہ دارالخلافہ ملک کا ہے رہتا تھا عینکوں کو ایجاد کیا تھا - اس سے جو بوڑھوں اور ضعیف نظر والے آدمیوں کو بلکہ اکثر جوانوں کو جو فوائد کثیر پہنچے وہ سب پر روشن ہیں لیکن سب آلات مذکورالصدور میں دوربین نہایت نفیس اور مفید شئی ہے اس آلہ مفید کے ایجاد ہونے کا حال مورخ اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ شہر مڈبرگ میں کہ ملک ہولنڈ میں واقع ہے ایک عینک بنانے والے کا بیٹا اپنے باپ کی دکان پر دو شیشے کے ٹکڑوں سے کھیل رہا تھا اور وہ ایک شیشے کو تو اُنگلی سے اور دوسرے کو انگوٹھے سے پکڑ کے ایک کو دوسرے کی سیدھ میں رکھتا تھا اور انکر آنکھ لگا کر دیکھتا ان شیشوں کے ایک دوسرے کے نزدیک اور دور لیجانے سے ایک نیا تماشہ معلوم ہوتا تھا مثلاً برج گرجا گھر کے جو اور لوگوں کو چھوٹے سے اور دور نظر آتے تھے وہ اس لڑکے کو بوساطت شیشوں مذکور کے بہت بڑے اور نزدیک معلوم ہوتے اور اس سے سوائے ایک عجیب بات اُس نے یہ مشاہدہ کی کہ برج مذکور الٹے نظر آتے ہیں - جب یہ عجیب حال شیشوں کا اس لڑکے کے باپ نے معلوم کیا تو اس نے دو شیشوں کو ایک تختے پر لگایا اس طور سے کہ وہ چاہے جہاں جڑے جا سکیں - اور اس ترکیب سے شروع میں ایک بڑی سی دوربین تیار ہوئی اور اسکے ذریعہ سے فاصلہ کی چیزیں پاس

اور صاف نظر آنے لگیں - جب گیلیلیو نے جو ایک بڑا حکیم ساکن لسکنی کا تھا، حال اس آله جدید کا سنا تو اُس نے اسکو کمال خوبی کو پہنچانے میں بہت کوشش کی - اس نے بجائے تختے کے ایک لمبی نلی کے دو سروں پر شیشوں کو جڑدیا اور ان میں سے اجرام فلکی کا مشاہدہ کیا اور اس ترکیب سے وہ صورت دوربین کی بن گئی جو بالفعل پائی جاتی ہے - حکیم مذکور نے بذریعہ اس دوربین کے بڑی بڑی باتیں نسبت اجرام فلکی کے معلوم کیں - مثلاً اس نے دریافت کیاکہ چار چاندگرد سیارہ مشتری کے گردش کرتے ہیں اور سطح کرہ آفتاب ہیں اور ان کی گردش سے اس نے تحقیق کیا کہ آفتاب گرد اپنے محور کے گھومتا ہے - علاوہ ازاین اس آلے کی وساطت سے یہ بھی دریافت ہوا کہ چاند میں پہاڑ اور گھاٹیاں ہیں اور ہزار ہا ثوابت یعنی وہ سیارے جو ایک جا ساکن ہیں اور وہ بغیر دوربین کے نظر نہیں آتے ہیں - یہ سب باتیں سنه ۱۶۱۰ ء میں معلوم ہوئی تھیں اس وقت سے دوربین میں ہمیشہ ترمیمیں اور ترقیئیں ہوتی گئیں اور زمانہ حال میں وہ اسقدر خوبی سے بنائی جاتی ہے که اسکے ذریعے سے وہ عجائبات فلکی معلوم ہوتے ہیں که پہلے وہ کسی کے گمان میں بھی نہ تھے - فی الحقیقت دوربین مثل ایک ایسی سواری کے ہے جسکے ذریعے سے دور دور آسمان میں واسطے سیر اور مشاہدہ اجرام فلکی کے چلے جاسکتے ہیں - بذریعہ دوربین ہرشل صاحب کے که اس سے ہر شئی چھ ہزار دفعہ زیادہ بڑی قد میں معلوم ہوتی ہے - سیارہ زحل اور اسکا حلقه اور چاند وغیرہ اس قدر بڑے معلوم ہوتے ہیں گویا ہم اسی کروڑ میل کا سفر کرکے اسکے پاس جاکر اسکی سیر دیکھتے ہیں - اب ذرا غور کرنا چاہئے که اگر ہم بذریعہ دخانی گاڑی کے پچاس میل ایک گھنٹه میں چلیں تو بھی اس فاصلہ بعید کو عرصه سالوں میں طے کرسکیں گے - اسی آلے کے ذریعے سے ہم ثوابت کو اس

قربت سے مشاہدہ کرسکتے ہیں گویا ہم (۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) میل طے کرکے اُن کی سیر کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا فاصلہ بعید ہے کہ گو برابر ہم توپ کے گولے کی رفتار سے چلیں پھر بھی واسطے طے کرنے اس دوری کے کڑوڑں برس ضروری ہیں - پس جب ایسی ایسی نہایت مشکل اور عجیب باتیں اس آلے سے عمل میں آتی ہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خداتعالیٰ نے اس آلے کو واسطے سمجھنے اپنی خدائی کے اپنے بندوں کو عطا کیا ہے -

---

احوال برق وصاعقہ

برق مخصوص کسی ایک جوت سے نہیں ہے بلکہ تمام جوتیں موجود ہیں - بعض اشیاء ارضی میں ایسا خاصہ ہے کہ جس وقت ابر نزدیک زمین کے پہنچتا ہے تو وہ برق کو اپنی طرف جذب کرلیتی ہیں اور برق اس جذب کی تاثیر سے سحاب کو چھوڑ کر میل نیچے کی طرف کرتی ہے بادل کے پھٹنے اور اس سے آواز ہولناک پیدا ہونے کا نام صاعقہ ہے - جس وقت کہ برق سحاب کو پھاڑ کر باہر نکلتی ہے آواز ہوتی ہے لیکن وہ آواز بعد ایک لمحے کے ہم کو سنائی دیتی ہے کیونکہ آواز مذکور عرصہ دو دقیقہ میں چھہ کوس تک پہنچتی ہے مگر روشنی برق کی زیادہ جلد چلتی ہے ہر چند آواز اور روشنی ایک وقت حادث ہوتے ہیں لیکن روشنی قبل آواز کے محسوس ہوتی ہے - اگر کوئی یہ بات دریافت کیا چاہے کہ درمیان ظہور روشنی اور آواز کے کس قدر تفاوت ہے، چاہئے کہ بطور مذکور حساب کرے معلوم ہوجاوے گا کہ برق کس قدر دور ہے - پس اگر وقت ظہور روشنی سے آواز تک اڑھائی دقیقہ گذرے تو برق زمین سے چھہ کوس

کے فاصلے پر ہوگی - صاعقہ بڑی بڑی چیزوں پر پڑتی ہے اس وجہ سے بوقت طوفان درخت کے نیچے کھڑا ہونا مناسب نہیں - بعض اشیاء میں یہ خاصیت ہے کہ وہ بجلی کو اپنی طرف کشش کرتی ہیں اور سب فلزات یہی خواص رکھتے ہیں - یہی سبب ہے کہ جو صاعقہ میان تلوار پر پڑے میان نہیں جلتی اور تلوار جل جاتی ہے - حکماء فرنگ نے ایک ایسی کل بنائی ہے جس سے بجلی پیدا ہوتی ہے - جب اس کل کو پھراتے ہیں چنگاریاں نمودار ہوتی ہیں اور بجلی ایک شیشے کے برتن میں جمع ہوسکتی ہے - جب اس برتن کو دونوں ہاتھوں سے چھوتے ہیں تو چھونے والے کو ایک صدمہ پہنچتا ہے اگر ایک آدمی کو شیشے کے پائیوں کی چوکی پر بٹھائیں اور وہ اس آلے کو ایک جانب سے پکڑے رہے تو اسکے جسم میں بجلی جمع ہو جاتی ہے اور اسکے جسم سے بھی چنگاریاں نمودار ہو جاتی ہیں اور یہ کل بڑے بڑے مدرسوں سرکاری میں موجود ہے - جو شخص چاہے وہاں جا کر ان سب باتوں کا امتحان کرے - جب تک ان چیزوں کو آدمی اپنی نظر سے نہ دیکھے تب تک اسکو انکا بخوبی یقین نہیں ہوتا ہے -

---

بیان بخارات اور ابر اور مینھہ کا

ہوا میں جو گرد زمین کے ہے یہ طاقت ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے ذروں پانی کو جذب کرتی ہے اور اپنے ساتھ ملا لیتی ہے - بہ سبب حرارت کے پانی میں سے ذرے پانی کے اُٹھ جاتے ہیں اور ہوائیں اوپر پھیل جاتی ہیں - ان سب ذروں کے اٹھنے کو اور ہوا میں مخلوط ہوجانے کو بخارات بن جانا کہتے ہیں - ہر جائے روے زمین پر بخارات تھوڑے بہت ہمیشہ رہتے ہیں مثلاً جس وقت تم پانی ایک گرم لوہے پر ڈالتے ہو اسوقت

پانی فوراً بخارات ہو جاتا ہے اور لوگ کہا کرتے ہیں کہ پانی جل گیا - حقیقت میں یہ ہوتا ہے کہ پانی بہت حرارت کے باعث سے بخارات بن جاتا ہے اور اُڑ جاتا ہے اور ہوا میں مل جاتا ہے - غرض یہ کہ دریاؤں اور سمندروں اور کھیتوں اور حیوانات کے اجسام اور درختوں سے اور سب اشیاء سے بخارات تھوڑے بہت اُڑتے ہیں اور ہوا میں مل جاتے ہیں - جب پانی کے بخارات بہت بلند چڑھ جاتے ہیں اور وہاں جمع ہو جاتے ہیں ان کو بادل کہتے ہیں اور جو بادل ہلکے اور روی کے گالوں کی مانند ہوتے ہیں ان میں بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے لیکن وہ بادل جو سیاہ ارو دل دار ہوتے ہیں ان میں بہت پانی ہوتا ہے اور جب یہ پریشان ہو جاتے ہیں تو بڑا مینہہ برستا ہے اب اگر کوئی پوچھے کہ بادلوں کا مینہہ کیونکر بن جاتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ جب بادل کسی ایسی ہوا سے ملتے ہیں جس میں بہ نسبت ان بادلوں کے کم حرارت ہوتی ہے تو وہ ہوا کچھ حرارت بادلوں کی چوس لیتی ہے اور جب بادلوں میں سے حرارت نکل گئی تو بخارات پانی بن جاتا ہے اور چونکہ پانی میں وزن بہت ہوتا ہے اسی لئے اسے ہوا نہیں سہار سکتی اور پانی کے تکڑے تکڑے ہوکر زمین کی طرف گرتے ہیں اور اسکو مینہہ کہتے ہیں لیکن اگر بادل ایسی ہوا سے ملیں جس میں ان سے زیادہ حرارت ہو تو مارے حرارت کے بخارات بادل کے اور بھی باریک اور سبک ہو جاتے ہیں اور بادل اوپر کو صعود کر کے غائب ہو جاتا ہے - اکثر ملکوں ریگستان میں مینہہ بہت کم برستا ہے اور اسکا باعث یہ ہوتا ہے کہ ریتی میں گرمی بہت دیر تک رہتی ہے پس جب کوئی بادل ریگستان کے اوپر سے آتا ہے تو گرمی ریتی کی اس بادل کے بخارات کو اور بھی رقیق کر دیتی ہے اور بادل اوپر صعود کر کے غائب ہو جاتا ہے - بادلوں سے بہت فائدے خلق خدا کو متصور ہیں - ان کے

ذریعے سے وہ اشیاء جن میں نمی بہ سبب گرمی کے جاتی رہتی ہے پھر سے مینھ سے حاصل کرتے ھیں - غرض کہ جو جو فایدے باران رحمت سے متصور ھیں وہ سب کو معلوم ھیں - آدمی پانی سے بخارات بناسکتا ھے اور اسکی ترکیب یہ ھے کہ ایک برتن میں پانی بھر کے اسکے نیچے آگ روشن کرو اور جب پانی یہاں تک گرم ہو جائے گا کہ وہ جوش کھانے لگے تو اس وقت اس میں سے دخان پیدا ہوگا اور اسکو بخارات کہتے ھیں - واضح ہو کہ اس دخان کے ذریعے سے بہت سی کلیں متحرک ہوتی ھیں اور ان کلون کو دخانی کلیں کہتے ھیں - مثلاً دخانی جہاز اور دخانی گاڑی اسی قسم کی کلیں ھیں -

---

علم ہیئت

ناظرین اس پرچے کو یاد ہوگا کہ اس عاصی نے شائقین علم ہیئت سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا باعث ھے کہ چاند گرہن بہ نسبت سورج گرہن کے تعداد میں زیادہ ہوتے ھیں لیکن اب تک کسی نے جواب اس سوال کا نہ دیا پس یہ احقر اسکا جواب خود لکھتا ھے تا کہ ناظرین اس پرچے کے، اس کے ملاحظے سے فائدہ اٹھاویں - بہت دن ہوئے کہ ایک پرچے میں ہم نے باعث چاند اور سورج گرہن کا لکھا تھا لیکن چونکہ اسے مدت بعید گذری اس کا حال مختصر ہم پھر لکھتے ھیں تا کہ سوال مذکورہ بخوبی سمجھ میں آجائے - واضح ہو کہ چاند ایک جسم نورانی بالذات نہیں ھے بلکہ جو روشنی اس پر نظر آتی ھے وہ اس پر آفتاب سے آتی ھے پس ظاہر ھے کہ اگر کوئی شئے چاند اور سورج کے مابین آجائے تو چاند پر تاریکی ہو جائے گی اور اس تاریکی کو

گرہن کہتے ھیں - پس اب دیکھنا چاہئے کہ چاندگرہن کی صورت میں کونسی شئ
حائل چاند اور آفتاب میں ہوجاتی ھے - واضح ہو کہ شئ مذکور کرہ زمین
ھے کہ جب یہ چاند اور سورج کے بیچ میں آتی ھے ، اس وقت روشنی آفتاب
کی چاند پر گرنے سے موقوف ہوجاتی ھے - اس کا خیال شکل ذیل کے ملاحظہ
کرنے سے خوب اچھی طرح سے دل میں آجائے گا - چاندگرہن کے نقشے
سے واضح ھے کہ جس وقت زمین ٹھیک مابین آفتاب اور چاند کے ہوتی ھے
اُس وقت پرچھائیں یعنی سایہ زمین کا اوپر چاند کے گرتا ھے اور چونکہ
زمین نسبت چاند کے بہت بڑی ھے اس واسطے اس کا سایہ بھی بڑا ھے
یہاں تک کہ جس وقت چاند زمین کے سایہ میں آجاتا ھے تو تھوڑی دیر کے
بعد اسے طئے کرکے وہ نکلتا ھے اور شکل سے واضح ھے کہ چاندگرہن
اُس خلقت کو جو اس نصف کرہ زمین پر رہتے ھیں جو سامنے چاند کے ھے
نظر آئے گا یعنی جن کو کہ چاند اس وقت نظر آتا ہوگا ان کو اس کا گرہن بھی
دکھائی دے گا - پس یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ سارے چاندگرہن نظر آتے ھیں
لیکن سورج گرہن کی صورت میں یہ نہیں ہوتا اور اس کا باعث یہ ھے کہ
جس وقت کہ چاند ٹھیک مابین زمین اور آفتاب کے آتا ھے اس وقت چاند
کے حائل ہونے سے روشنی آفتاب کی زمین تک نہین پہنچتی ھے لیکن چاند
ایک چھوٹا کرہ ھے اور اس کی پرچھائیں یعنی سایہ اس قدر بڑا نہیں ہوتا کہ
ساری زمین کو گھیر لے یعنی ساری زمین پر سایہ کردے فقط ایک تھوڑا حصہ
کرہ زمین کی تاریکی میں آتا ھے اور باقی پر روشنی بدستور قائم رہتی ھے -
جیساکہ نقشۂ سورج گرہن سے واضح ہوتا ھے - یہاں سے یہ معلوم ہوتا ھے کہ
سورج گرہن سب خلقت کو نظر نہ آوے یعنی بعض جائے وہ دکھائی دیتا ھے
ور بعض جائے نہیں - اکثر ایسا ہوتا ھے کہ سورج گرہن فقط کسی
جائے سمندر میں دکھلائی دے سکتا ھے اور چونکہ وہاں کوئی آدمی نہیں

ہوتا تو اس گرہن کی کسی کو بھی خبر نہیں ہوتی - پس معلوم ہوا کہ باعث سورج گرہن کے کم ہونے کا یہ ہے کہ وہ سب مقاموں پر نظر نہیں آتے - سورج گرہن کے کم واقع ہونے کی ایک خوب مثال یہ ہے - واضح ہو کہ بادل زمین سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور اسی واسطے ان کا سایہ ساری زمین پر نہیں ہوسکتا ہے - تھوڑی سی دور تک ان کا سایہ ہوتا ہے اور باقی مقاموں سے آفتاب بخوبی نظر آتا ہے اور وہاں دھوپ کھلی ہوتی ہے - یہی حال سورج گرہن کا ہے کہ چاند مانند ایک نہایت بڑے بادل کی ہے لیکن تب بھی زمین سے چھوٹا ہے اور اس باعث سے اس کا سایہ آفتاب کو ساری زمین سے نہیں چھپا سکتا ہے یعنی گرہن سورج کا سارے نصف کرہ زمین پر نظر نہیں آتا ہے -

---

حال خوردبین کا

اب میں یہاں سے حال خوردبین کا لکھتا ہوں اور حال اس کا بھی بہت نادرات سے ہے - غور سے پڑھو اور قدرت الٰہی کا تماشہ کرو - واضح ہو کہ خوردبین ایک ایسا آلہ ہے کہ جس کے ذریعے سے نہایت چھوٹی سے چھوٹی شئی بڑی معلوم ہوتی ہیں - اس میں چند شیشے لگے ہوتے ہیں اور جس شئے کو دیکھنا منظور ہوتا ہے اس کے ذریعے دیکھتے ہیں اور بروقت دیکھنے کے چیز کا قد نہایت زیادہ ہو جاتا ہے - اکثر ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ بعض آئینے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں چہرہ آدمیوں کا بڑا معلوم ہوتا ہے باعث اس کا یہ ہے کہ یہ آئینہ ہموار نہیں ہوتا بلکہ وہ ذرا گھرا ہوتا ہے یہی حال خوردبین کی بھی مشینوں کا ہوتا ہے بذریعہ

خوردبین کی ایسی ایسی عجیب باتیں دریافت ہوئی ہیں کہ قبل از ایجاد ہونے
اس آلۂ مفید کے وہ آدمیوں کے وہم میں نہیں گذری تھیں۔ ان عجیب باتوں
میں سے ایک یہ ہے کہ پانی میں چھوٹے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں اور وہ
اس قدر چھوٹے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں کہ بوقت دیکھنے کے نظر میں
نہیں آتے ہیں۔ ہرچند ہم پانی کو چھانیں اور نہایت صاف کریں پھر بھی اگر
کوئی بذریعہ خوردبین کے اس میں دیکھے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ بعد
ہزار دفعہ چھاننے کے بھی چھوٹے چھوٹے کیڑے اس میں موجود ہیں۔
چنانچہ ایک شخص برہمن بڑا پرہیزگار تھا اور حتی الامکان وہ زندہ
چیز کو کبھی نہیں ضائع کرتا تھا جب وہ راستے میں چلتا تو آدمی
اس کے آگے جھاڑو دیتے جاتے اس واسطے کہ ایسا نہو کہ کوئی کیڑا
وغیرہ اس کے پاؤں کے نیچے آکر مرجاوے اور جب کھانا کھاتا تو
اس وقت ہزار طرح کی احتیاط ہوا کرتی کہ کوئی جانور مارا نہ جاوے۔
ایک انگریز نے جو مزاج میں شرارت رکھتا تھا اس برہمن سے کہا کہ تم
ناحق اس قدر پرہیز کرتے ہو تم روز پانی میں ہزارہا کیڑوں کو پی جاتے ہو اور
واسطے ثبوت اس اظہار کے اس فرنگی نے اس کو چھنے ہوئے اور صاف
کئے ہوئے پانی میں جس کو وہ پیا کرتا تھا بذریعہ خوردبین کے برہمن مذکور
کو ہزارہا کیڑے حرکت کرتے ہوئے دکھلادئے۔ یہ مشاہدہ کرکے برہمن
نہایت رنجیدہ ہوا اور قسم کھائی کہ میں پانی کبھی نہیں پیوں گا اور اس عہد کو
اس نے نہ توڑا۔ اخیر کو زیادتی تشنگی سے تڑپ کر مرگیا۔ اس دائرہ
میں وہ شکلیں اُن چھوٹے جانوروں اور کیڑوں کی جو پانی میں دیکھے گئے
ہیں مندرج ہیں۔ خوردبین کے ذریعے سے یہ بات تحقیق ہوئی ہے کہ جن کو
لوگ مونگے کے درخت کہتے ہیں وہ دراصل درخت نہیں ہیں بلکہ وہ
عمارتیں ہیں جو نہایت چھوٹے کیڑوں نے واسطے اپنی بود و باش کے تعمیر کی

ھیں اور یہ کیڑے اس قدر چھوٹے ھیں کہ بغیر ذریعہ خورد بین کے نظر نہیں آتے ھیں۔ اس آلے کے ذریعے سے جو جو چھوٹے جانوروں کو دیکھا ھے اور ان کی کیفیت معلوم ہوئی ھے ان کا ہم بیان کرتے ھیں۔ نہایت دلچسپ ھے۔ ظاہر ہو کہ ایک قسم کا جانور جس کا نام ہن ھے کہ وہ نہایت چھوٹا ہوتا ھے اور اس کو بغیر خوردبین کے نہیں دیکھ سکتے ھیں اور اس جانور کے سر کو جب خورد بین میں دیکھتے ھیں تو اتنا بڑا معلوم ہوتا ھے جیسا کہ یہاں دکھائی دیتا ھے۔ بغور ملاخطہ اس شکل کے معلوم ہوگا کہ جب یہ کیڑا ایک دفعہ کسی انتڑی میں جگہ کرلیتا ھے تو وہاں سے اسکا چھٹنا بہت ہی مشکل ہوتا ھے۔ خوردبین میں پردار جانوروں کے دیکھنے سے بہت لطف حاصل ہوتا ھے اور گھٹنوں تک ان کی آنکھیں، سینگ، بازو بلکہ چھوٹے چھوٹے پر جو ان کے بدن پر ہوتے ھیں دیکھنے کو جی چاہتا ھے۔ جب خورد بین میں سے مکھی کو ملاخطہ کرتے ھیں تو معلوم ہوتا ھے کہ اس کی آنکھیں بہت سے شیشوں کی بنی ہوئی ھے جو پاس پاس مثل جال کے لگے ہوئے ھیں اور یہ شیشے ایک آنکھ مکھی کی میں کئی ہزار سے زیادہ شمار کئے گئے ھیں اور اس کی آنکھ خورد بین میں اتنی بڑی معلوم ہوتی ھے جیسے کہ یہاں مندرج ھے اور جس وقت پاؤں مکھی کے خورد بین سے دیکھے جاتے ھیں تو ایسا معلوم ہوتا ھے جیسے کہ ہم نے یہاں تصویر میں دکھایا ھے۔ اور جب مچھر کے ڈنک کے اجزاء کو جدا کرتے ھیں اور خوردبین سے دیکھتے ھیں تو ان کی صورت تیروں اور چاقوں کی سی معلوم ہوتی ھے ان ڈنکوں کی شکلیں یہ ھیں۔ مکڑی کے بہت سے اجزاء بہت اچھے ھیں اور وہ چیز جس سے وہ جالا بنتی ھے سب سے زیادہ لائق دیکھنے کے ھے یہ شکل اس جزو مکڑی کی ھے جس سے وہ جالا بنتی ھے جیسا کہ وہ خورد بین میں معلوم ہوتا ھے۔ جالا مکڑی کا اگرچہ بوسیلہ خورد بین کے

بہت ہی باریک معلوم ہوتا ہے بنا ہوا ہوتا ہے ، بہت ریشوں کا جو اس سے بھی بہت باریک ہیں اور جو تھوڑی دور پر ان چھیدوں میں سے جو مکڑی کے جسم میں ہوتے ہیں اور جس میں سے وہ نکلتے ہیں آپس میں مل جاتے ہیں - مکڑی کی ہر ٹانگ کی سرے میں ایک نوکدار بہت اچھا آنکڑا جو بروقت پکڑنے کسی چیز کے بند ہوجاتا ہے ، ہوتا ہے اور مکڑی کی ٹانگیں اور ناخن جو خوردبین سے دکھائی دیتے ہیں ان کی شکلیں ہم پیش کرتے ہیں نرم پر تیتریوں کے جسم پر ہوتے ہیں جب ان کو خوردبین سے دیکھتے ہیں ذرا ذرا سے چھلکوں کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ان کی شکلیں یہ ہیں اور جس وقت خوردبین میں سے پسو کو مشاہدہ کرتے ہیں تو اسکی شکل اتنی بڑی معلوم ہوا کرتی ہے جیسی کہ یہاں مندرج ہے - غرض یہ ہے کہ جو خوردبین سے بڑے بڑے مفاد حاصل ہوتے ہیں اور بروقت دیکھنے کے اس سے کسی چیز کو بڑی معلوم ہوا کرتی ہے - اور زمانہ قدیم میں اس آلے کو لوگ نہایت کم جانتے تھے لیکن اب دانایان فرنگ نے اس آلے کو بہت رواج دیا ہے اور اس کے سبب سے بہت اچھی اچھی باتیں دریافت کی ہیں - عرصہ چند روز کا ہوا کہ اس احقر نے بوسیلے خوردبین کے ایک بال کو جس پر جوں بیٹھی تھی دیکھا تھا وہ بال مثل شاخ ایک سیب کے درخت کے معلوم ہوتی تھی اور جوں اس پر مثال بندر کے پھرتی معلوم ہوتی تھی - اس جائے ہم شکل خوردبین کی بھی درج کرتے ہیں -

(۴)

اخلاقی، اصلاحی اور سماجی مضامین

۱۔ نصیحت

۲۔ مضمون امید

۳۔ حب الوطنی

٤۔ اچھی تربیت کے فوائد کے بیان میں

٥۔ حال سخاوت کا

٦۔ اوقات کے صرف کے بیان میں

نصیحت

چند سطور جو آگے بیان ہوتی ہیں، توقع کرتا ہوں کہ ناظرین اس پرچے کے بغور و تامل ملاحظہ فرمائیں گے - ہفتہ گذشتہ میں بندہ کو ایک مہربان کی ملاقات کے واسطے ان کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوا - وہاں جب وارد ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ مکان پر تشریف نہیں رکھتے ہیں - میں نے خیال کیا کہ اگر بے ملے اُن سے چلا جاؤں گا تو بباعث موانع امورات دنیوی کے خدا جانے پھر کب اتفاق ان کی ملاقات کا ہو - اس لحاظ سے ارادہ کیا کہ جب تک وہ تشریف لائیں ان کا انتظار کروں مگر بباعث تنہائی کے ان کے دیوان خانے میں میری طبیعت لگی نہیں - ان کے باغیچے میں پھرنے لگا - اشجار پر ثمر اور گلہائے نو بہار کی سیر کرتا ہوا ایک ایسے تختہ پر پہنچا جہاں جھاڑ گلاب کے تھے - وہاں دیکھتا کیا ہوں کہ ایک لڑکا بغور ایک پھول گلاب کی طرف دیکھ رہا ہے میں نے اس سے دریافت کیا کہ تم اتنے فکر و تامل سے اس گل کو کیوں دیکھ رہے ہو اس لڑکے نے جواب دیا کہ جناب عالی یہ دو درخت جو آپ ملاحظہ کرتے ہیں میرے والد نے مجھکو عطا فرمائے تھے اور ارشاد کیا تھا کہ تم سے جس قدر ان کی خبرداری ہوسکے قصور نہ کرنا اور ان کی حالت دیکھ کر ہم دریافت کرلیں گے تم اس سے بے خبر تو نہیں ہو - سو جناب اس روز سے میں ان کی خبرداری کرتا تھا اور یہ خیال تھا کہ اول پھول جو کھلے ہیں ان کی نذر کروں گا سو کل یہ اتفاق ہوا تھا کہ ایک غنچہ اس درخت میں (میرے تئیں اپنے پاس بلاکر دکھایا) لگا تھا - اور میں نے اسے آکر دیکھا مجھے کمال خوشی ہوئی کہ اب میں ان کو دوں گا اور یہ شوق ہوا کہ کسی طرح سے یہ جلد کھل

جاوے تو میں ان کے پاس لیجاؤں اور یہ خیال کیا کہ اگر چھوٹی پتیاں جو اس غنچہ کے گرد ہیں انہیں ہاتھ سے ادھر اُدھر کردوں تو یہ پھول بباعث حرارت آفتاب اور لگنے ہوا کے جلد کھل جائے گا۔ یہ سوچ کر اسی طرح کیا اور تھوڑی دیر کے واسطے چلا گیا۔ چونکہ شوق کمال تھا زیادہ نہ ٹھیر سکا۔ پھر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پتیاں پھول کے برعکس میری آرزو کی کملا گئیں ہیں اور چند قریب خشک ہوگئیں۔ مجھے اس وقت کمال ناامیدی ہوئی اور خیال کیاکہ میں نے غنچہ کو زیادہ کھول دیا اب کی اگر کوئی پھول آوے گا تو ہوشیاری کام میں لاؤں گا۔ چنانچہ آج صبح پھر دیکھا تو ایک اور غنچہ اسی درخت میں پایا ویسا ہی شوق پھر دامن گیر ہوا لیکن کل کا حال جو مجھے یاد تھا غنچے کو زیادہ نہ کھولا اور اسے کھلنے کی فرصت دی اور بعد ایک پہر کے اب آیا تھا اور قطعی خیال تھا کہ جاتے ہی اس پھول کو جو اب کھل گیا ہوگا لا کر اپنے والد کی نذر کروں گا سو کل کی سی ناامیدی آج پھر ہے۔ آپ ملاحظہ کیجئے کہ اسکی کیا حالت ہے۔ میں نے جو دیکھا تو فی الحقیقت کملا گیا تھا۔ پھر کہنے لگا کہ اب میں یہ سوچ رہا تھاکہ آج میں نے اسے بہت ہوشیاری سے کھولا تھا اب یہ کیوں مرجھا گیا۔ یہ تمام اس کی سرگذشت سنکر میں نے جواب دیا صاجزادے جو چیزیں قدرت سے تعلق رکھتی ہیں اس میں انسان موافق اپنی طبیعت کے اپنی حکمت سے کم و بیشی نہیں کرسکتا ہے۔ اگر اس پھول کی سبز پتیاں ادھر اُدھر سے نہ اٹھاتے اور منتظر اس کے خود کھلنے کے رہتے تو یہ موافق تمھاری طبیعت کے کھلتا۔ اتنی بات اس لڑکے سے کہتے ہی مجھے خیال آیا کہ یہ ہی حال اکثر مربیان بچوں کا ہے۔ جو تدبیر وہ اپنی رائے میں مناسب جانتے ہیں بدون خیال کرنے حالت یا مزاج بچہ کے عمل میں لاتے ہیں اور اسکا نتیجہ برعکس ان کے مطلب کے ظہور میں آتا ہے۔ اب اکثروں کو دیکھتا ہوں تو وہ واسطے حفظ

تند رستی اپنے بچے کے اسکو اشیا مقوی کھلاتے ھیں - اس نظر سے کہ بباعث ہونے
طاقت کے بیماری اس پر اثر نہیں کرے گی - لیکن یہ نہیں خیال کرتے کہ وہ
چیزیں وہ بچہ ہضم بھی کرسکے گا - اور اوروں کو یہ دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے
بچوں کو اکثر اشیاء کے کھانے سے باز رکھتے ھیں اس نظر سے کہ وہ بیمار
نہ ہوجائیں یہ نہیں خیال کرتے کہ اگر ان بچوں کے مزاج سے وہ اشیاء موافق
آویں تو کس قدر کثیر فائدہ بخشیں - الغرض حاصل کلام یہ ھے کہ مربیون کو
چاہئے کہ کھانا پینا اشیاء خوردنی و نوشیدنی کا بچوں کی طبیعت پر چھوڑ دیں
مگر نگران حال رہیں -

مضمون امید

ہم دیکھتے ھیں کہ مدار کارخانہ عالم کا امید و توقع کے ساتھ
مربوط ھے - کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں پایا جاتا کہ جو امید توقع سے
خالی ہو - کوئی شخص یہ توقع کرتا ھے کہ مجھے دار عقبی میں یہ یہ نعمتیں
اور خوشیاں حاصل ہونگی اور واسطے کامیابی کے اپنے اوقات کو عبادت
حق تعالی میں صرف کرتا ھے - کسی کو یہ امید ھے کہ مجھے دنیا میں یہ یہ
اسباب خوشی اور راحت کے نصیب ہوں گے اور وہ واسطے ان مطالب کے
مساعی ھے - ہم خاصہ طبیعت انسانی کا دیکھتے ھیں کہ اسے امید و توقع
میں بڑی خوشی رہتی ھے اور وہ اس امید میں اپنے نفس پر بڑی تکالیف
اور محنتیں اختیار کرتا ھے جن لوگوں کو یہ آرزو ہوتی ھے کہ ہم نیک نامی
حاصل کریں اور مراتب عالیہ کو پہنچیں وہ اپنے تئیں بڑی بڑی مہلکہ مصائب

میں ڈالتے ھیں اور ان مصیبتوں کو راحت خیال کرتے ھیں۔ جن لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ھے کہ ہم بہت سا روپیہ اور عزت حاصل کریں وہ بڑے بڑے دور دراز ملکوں کا سفر اختیار کرتے ھیں اور اپنے نفس پر جبر کر کے محنت سے مہنہ نہیں پھیرتے۔ اگر سکندر فتوح ممالک کی کوشش نہ توقع کرتا تو وہ سفر بحری اور بری نہ اختیار کرتا اور سرحد ھندوستان تک نہ پہنچتا۔ بعضے لوگوں کا ہم یہ حال دیکھتے ھیں کہ جب ان کو امید کی طرف سے مایوسی ہوجاتی ھے تو وہ اپنی زندگانی کو تلف کردیتے ھیں اور اپنے تئیں اپنے ہاتھہ سے ہلاک کرتے ھیں۔ اہل خطا کا تاریخوں میں یہ حال دیکھا ھے کہ وہاں کے لوگوں میں یہ رسم ھے کہ جب ان پر فقر و فاقہ گذرتا ھے اور صفائی و عیش سے مایوسی ہوجاتی ھے یا اور کسی طرح کی مصیبت آتی ھے تو وہ اپنے تئیں ہلاک کرتے ھیں۔ اس طرح جب ان میں سے کسی کے ہاں اس حال میں لڑکا پیدا ہوتا ہو وہ پہلے پہلے اسکی زندگانی سے مایوس ہوکر اسکو راستے میں ڈال دیتے ھیں۔ اگر اس کو کسی نے وہاں سے اٹھایا تو اسکی جان باقی رھی وگرنہ ہاتھی یا گھوڑوں کے پانوں کے تلے دب کر مرجاتے ھیں۔ واقعی میں آدمی کے تئیں ایسا نہ چاہئے کہ تھوڑی سی مایوسی کے ساتھہ اپنی جان کو تلف کردے۔ حقیقت میں دنیا جگہ آزمایش کی ھے خدا تعالی اپنے بندوں کے صبر اور محنت کا امتحان کرتا ھے۔ مرد وہ ھے کہ مصیبت پر صبر کرے اور جو کچھہ اس پر گذرے تحمل کرے نہ یہ کہ اسکا متحمل نہوکر اپنے تئیں ہلاک کردے۔ جس شخص نے حال فرہاد کوہکن کا دیکھا ہوگا اس پر شہادت اس امر کی روشن ہوگی کہ اسکی جان کھونے کا یہی باعث ہوا کہ جب وہ کوہ بیستون کو کاٹ چکا اور اسکی امید بر آنے میں ایک دو دن کا عرصہ باقی رہا تو خسرو نے از راہ فریب ایک عورت کے ہاتھہ یہ کہلا بھیجا کہ شیرین کا وصال ہوا۔ جب اس نے یہ خبر سنی

تو وہ وصال شیریں سے مایوس ہوگیا اور اپنے سر میں تیشہ مارکے مرگیا آدمی کے تئیں چاہئے کہ اس طرح کی امیدیں نہ کرے کہ جو اسکی نسبت محال اور غیر ممکن معلوم ہوتی ہوں اس طرح کی امید کو خبط سمجھنا چاہئے - آدمی وہ امیدیں کرے جو جلدی حاصل ہوجاویں اور اسکی سعی اورکوشش اس میں بیکار نہو - بعضی لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بڑے ذی اقتداروں کا حال دیکھکر یہ جانتے ہیں کہ ہمارے تئیں بھی یہی حاصل ہو - جب وہ ان کے عیش و عشرت اور کامیابی مقاصدکو دیکھتے ہیں تو جانتے ہیں کہ ہمارے تئیں بھی یہ نعمتیں اور یہی حکومت اور اختیار حاصل ہوجاوے - حالانکہ وہ ہنر سے بے بہرہ اورکوشش سے بیزار ہیں - گھر بیٹھے چاہتے ہیں کہ ہم کو ملک دنیا کامل جاوے پس اس صورت میں سوائے رنج و الم اور کیا انہیں حاصل ہوسکتا ہے - بعضی لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کہیں سے مدفون خزانہ ہمارے ہاتھ لگ جاوے تو بہت خوب ہے اور خوب چین سے زندگی گذرے - اب دیکھو پانا خزانے کا کیسی بعید بات ہے اور شاید اس طرح دولت کسی بشرکو نصیب ہوئی ہوگی - بعض لوگ بتوقع کیمیاء کی اپنی بہت سی دولت اور روپیہ پھونک دیتے ہیں - کیماء بنانی تو نہیں آتی مگر اور گھر کے نقد کو بھی کھو دیتے ہیں اور اسی توقع میں مرجاتے ہیں -

---

حب الوطنی

حب الوطنی ایک نیکی نایاب ہے اور اس سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے ملک کو اس قدر عزیز رکھتا ہو کہ اس کو

نہ چھوڑے بلکہ ہم حب وطن اس کو کہتے ہیں جو ہمیشہ اسکی رفاہ اور
بہبود کی طرف مساعی ہو اور اس کے فائدے کے واسطے جان و مال کا دریغ
نہ کرے۔ بعض صاحب یہ کہیں گے کہ ایسی نیکی خیالی ہے وہ وجود میں نہیں
لیکن یہ محض غلط ہے۔ بہت آدمی زمانہ سابق میں ایسے ہوئے ہیں کہ
انہوں نے وطن کی بہبود کے واسطے اس قدر کوشش کی ہے کہ بیان نہیں
ہو سکتا اور اس زمانے میں بھی ایسے آدمی اللہ تعالی نے پیدا کئے ہیں کہ
وہ دل و جان سے اپنے ملک کی بہبود چاہتے ہیں لیکن افسوس تو یہ ہے کہ
یہ نیکی ہندوستانیوں میں نہیں پائی جاتی۔ یہاں کوئی بھی اپنے ملک کی
رفاہ کے واسطے ہاتھ پیر نہیں ہلاتا اور جس کو دیکھو وہ یہ کہتا ہے کہ
ہمارے کئے سے کیا ہوتا ہے۔ منجملہ اور باعث عدم وجود اس نیکی کے
اہل ہند میں یہ ہے کہ یہاں کے باشندے اقوام مختلفہ میں منقسم ہیں اور مختلف
مذاہب رکھتے ہیں۔ اس سبب سے کوئی ایک دوسرے کی رفاہ کا خیال
نہیں کرتا۔ کم ہمتی جو اہل ہند کا خاصہ ہے اس کے باعث سے وہ ہمیشہ
غلامی میں رہے ہیں اور دیکھئے کب تک رہیں گے۔ ان کو آزاد گورنمنٹ کا
تصور بھی نہیں۔ یہ اثر تعلیم کا ہے جو یہاں کے لوگ پاتے آئے ہیں۔
اہل ہند میں سے کسی کو بھی کبھی دیکھا ہے کہ وہ حب الوطنی کو کارفرما کے
دخیل کاروبار گورنمنٹ ہو۔ اس حال میں یہاں کے باشندوں کو بہت ضرورت
واسطے تحصیل علوم مختلفہ کی ہے بدون اس کے اُن کی آنکھیں کبھی نہیں
کھلیں گی۔ مطالعہ تواریخ آزاد قوموں کا سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ
ان کی عالی ہمتی اور حب الوطنی کو دیکھ کر انہیں بھی عزم آوے اور
ایک روز داغ غلامی سے بری ہوں۔ اہل اسپارٹا کو جب ہم اپنے ہم وطنوں
سے مقابلہ کر کے دیکھتے ہیں تو بجز خجالت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔
تاریخ سے ایسا دریافت ہوتا ہے کہ اسپارٹا کی عورتیں اس قدر عالی ہمت

اور محب الوطن تھیں کہ ان کے حال کے سننے سے یہاں کے مردوں کو شرم
آوے گی۔ ذکر ہے ملک اسپارٹا کی ایک عورت کا جس کا لڑکا لڑائی پر
چڑھا تھا اس کی ماں نے اس کو ایک ڈھال دی اور یہ مردانہ نصیحت کی کہ
یا تو اس ڈھال کو لے آئیو اور یا اس پر پڑکر آئیو اور اس سے مراد
تھی کہ لڑائی میں بھاگنے اور وہاں ڈھال کو پھینک آنے سے اس پر مردہ پڑکر
آنا بہتر ہے۔ واضح ہو کہ ان لوگوں میں یہ دستور تھا جو شخص لڑائی
میں مقتول ہوتا تھا اس کو ڈھال پر اٹھا لاتے تھے۔ ایک عورت نے جب
سنا کہ اسکا لڑکا اپنے ملک کے واسطے لڑتے ہوئے مارا گیا تو اس نے بدون
اظہار تاسف اور بھرنے آہ کے بادل شادیہ کلمہ زبان پر لایا کہ میں نے
اُسے اسی روز کے واسطے جنا اور پالا تھا۔ لیوکرا کی لڑائی ہوچکی تھی ان
لوگوں نے جن کے لڑکے بالے اس لڑائی میں مارے گئے تھے بتخانوں میں
جا کر شکریہ جناب باری کیا اور کہا کہ ہمارے لڑکے اپنے فرض سے ادا
ہوئے اور جن کے لڑکے بقید حیات رہے تھے وہ مغموم ہوئے۔ سبحان اللہ
کیا ہمت اور کیا حب الوطنی ہے کہ زبان اس کے بیان سے لال ہے۔ ایک
یونانی کا قول تھا کہ آدمیوں کی فصیل خشت کی فصیل سے بہتر ہے اور وہ
لوگ جو قلعہ کے اندر پناہ لیتے ہیں ان میں اور نامردوں میں کچھ فرق نہیں
ہے۔ ایک بار بہت بڑا بادشاہ ایران کا بہ جمیعت کثیر یونان پر حملہ آور ہوا
اور تھوڑے سے آدمیوں سے، کہ اس بادشاہ کی فوج کے مقابلے میں ان کی
کچھ بھی حقیقت نہ تھی، ایک یونانی سردار اسکے مقابل ہوا۔ بادشاہ نے
اس کو حقیر سمجھ کر کہلا بھیجا کہ تو لڑائی چھوڑدے اور میری اطاعت
کرلے۔ جواب میں سردار نے کہا کہ آ اور جو تجھ سے ہماری جان
لی جاوے تو لے جا۔ دیکھو یہ کتنا دلیری کا کلام ہے باوجود اس بات کے
کہ ان لوگوں کے سر پر موت کھڑی تھی لیکن حب الوطنی اس بات پر

مقتضی نہ ہوئی کہ نا مردانہ میدان جنگ سے بھاگیں اور اپنے ملک کو تباہی میں
ڈالیں۔ جب بعض اشخاص نے کہا کہ شاہ ایران کی اس قدر فوج ھے کہ ان
کے نیزوں سے آفتاب چھپ جائے گا اس وقت ایک یونانی نے مردانہ جواب
دیا کہ پس ہم تپش آفتاب سے بچکر سایہ میں لڑیں گے۔ یہ چند مثالیں
کفایت کرتی ھیں۔ یہ تو بہت مشکل کام ھیں۔ ہمارے ہم وطن تو ادنی
باتوں کی طرف جن سے رفاہ خلق متصور ھے توجہ نہیں کرتے۔ دیکھئے
ہندوستان کے کب دن پھرتے ھیں۔

اچھی تربیت کے فواید کے بیان میں

واضح ہو کہ اچھی تربیت سے فقط یہ مراد نہیں ھے کہ آدمی
لکھنا اور پڑھنا خط وغیرہ کا سیکھ جاوے بلکہ اس سے مراد وہ عقل اور
شعور اور استعداد بھی ھے جو بہ سبب تحصیل کتب فاضلوں اور حکماء سے
اور صحبت عاقلوں اور عالموں کی سے حاصل ہوتی ھے۔ پس جب یہ
مراد ہوئی تربیت سے، تو جو آدمی اپنے تئیں جاہل اور ناخواندوں سے
بزرگی دیا چاہے اُسے لازم ھے کہ حاصل کرنے اچھی تربیت میں کوشش
کرے۔ اگر اس دنیا میں ہم خلقت کو مشاہدہ کریں تو ہمیں یہ بات دریافت
ہوگی کہ گو اچھی تربیت یافتوں کو دولت حاصل نہ ہو لیکن اس میں شک
نہیں کہ ان کی ہر جائے عزت و تعظیم کی جاوے گی۔ جو آدمی اس سے کلام
کرے گا اسے اس کی خوش اخلاقی اور علمیت کو دیکھ کر اس سے بہت
خوش ہوگا اور اسکی صحبت کا آرزو مند ہوگا۔ خلاف اس کے جو آدمی
جاہل مطلق اور نا تربیت یافتہ ھیں ان کے کلام اور حرکات ایسے ہوتے

ھیں کہ ان سے ہر آدمی نفرت کرنے لگتا ھے اور جہاں ایسے شخص جاتے ھیں کوئی ان کی تواضع نہیں کرتا بلکہ ان کے بیٹھنے کے بھی خواہاں نہیں ہوتے - حقیقت یہ ھے کہ خدائے تعالی نے سب انسانوں کو تھوڑی بہت عقل اور تمیز دی ھے لیکن بعض کو اچھی تربیت ملتی ھے اور بعض کو بالکل تربیت نہیں ہوتی - اس باعث سے انسان میں اختلاف پڑ جاتا ھے - ایک آدمی منشی ھے اور ایک چپراسی - پس ان دونوں میں فقط فرق یہ ھے کہ ایک ان میں سے تربیت یافتہ اور دوسرا نا تربیت یافتہ ھے - عقل جو انسان میں پائی جاتی ھے وہ مانند ایک پتھر سنگ مرمر کے ھے جو کان میں مٹی سے آلودہ دبا ہوا ھے اور تربیت مانند اس کاری گر کے ھے کہ جو پتھر کو نکال کر صاف اور درست کیا کرتا ھے - جب تک سنگ مرمر کو کاری گر مذکور کان میں سے نکال کر صاف نہیں کرتا ھے تب تک خوبصورتی اور رونق سنگ مرمر کی کہاں ظاہر ہوتی ھے ؟ اسی طور سے جب تک کہ آدمی کو تربیت نہیں ہوتی ھے اُس وقت تک عقل اور صفات جبلی جو اللہ تعالی نے اُسے بخشے ھیں ظاہر نہیں ہوتے ھیں - ممکن ھے کہ ہزارہا گنوار اور دیہاتی ایسے گذرے ہوں گے کہ ان کو خدا تعالی نے اسی قدر ذہن اور عقل بخشی ہو جیسی کہ حکیم ارسطو کو حاصل تھی - اب کوئی پوچھے کیوں حکیم ارسطو نامی حکیم ہوا اور گنوار مذکور حالت جہالت ہی میں مر گیا اور نام و نشان بھی نہیں رہا اس کا جواب فقط یہ ھے کہ ارسطو کو تربیت ہوئی تھی اور اُس کو نہیں ہوئی - ارسطو نے کتب اور تصنیفات حکمائے گذشتہ کو ملاحظہ کیا اور گنوار مذکور کاشتکاری کرتے کرتے مر گیا - اگر مانند ارسطو کے ان کو بھی قابو واسطے تحصیل کتب وغیرہ کے ہوتا تو شاید وہ گنوار ارسطو سے بھی سبقت لے جاتا - ایک شاعر نے سچ کہا ھے کہ گنواروں اور غریبوں کے ذہن اور عقل سے کون آگاہ ہوتا ھے - وہ مانند ان جواہرات

کے ہیں جو اندر سمندر کے پڑے ہوئے ہیں اور انسان کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں - یا وہ مانند ان خوشبودار پھولوں کے ہیں جو دشت لق و دق میں شگفتہ ہیں ان کی خوشبو کو کون سونگھتا ہے - تربیت ایک ایسی شئے ہے کہ وہ ورثے میں نہیں حاصل ہوتی ہے یعنی یہ بات غیر ممکن ہے کہ اگر باپ تربیت یافتہ ہو تو بالضرور اس کا بیٹا بھی تربیت یافتہ ہی ہو - یہاں سے یہ بات ہر انسان پر فرض ہے کہ اچھی تربیت پانے میں کوشش بلیغ کرے اور اس میں تغافلی اور کاہلی کو جائے نہ دے - اہل یونان تربیت کے فوائد سے بہت آگاہ تھے - وہ اپنے بچوں اور خردوں کو اچھی طرح سے تربیت کرنے میں ہمیشہ کوشش کرتے تھے - چنانچہ بادشاہ فیلقوس نے جو باپ شاہنشاہ سکندر رومی کا تھا اپنے لڑکے شاہنشاہ یعنی سکندر کے واسطے تربیت کے ارسطو کو مقرر کیا اور فی الحقیقت جیسی تربیت اس حکیم اعظم فاضل سے پائی تھی وہ سب پر روشن ہے - اس سارے مضمون سے یہ غرض ہے کہ یہ بات آدمیوں پر فرض ہے کہ اپنے لڑکوں اور بچوں کو خوب اچھی طرح سے تربیت کریں اور اُنھیں سب علوم سکھاویں اور کرنے اس ترکیب سے آیندہ کو بہت فائدہ ہوگا -

---

حال سخاوت کا

نہایت بزرگ نیکوں میں سے سخاوت بھی ایک ہے - اس جائے ہم معنی سخاوت کے یہ نہیں لیتے کہ کسی شخص کی روپیہ پیسے یا کھانے کپڑے سے مدد کرنا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی اور کو اچھی صلاح بتادے یا گمراہی سے راہ پر لے آوے یا اُسے علم سکھاوے یا کسی

اور مصیبت میں سے خلاص کرے تو یہی شخص سخی ہے - الغرض جو شخص اپنا کسی طرح کا ہرج ذاتی کرکر دوسرے کے آرام کے واسطے کوشش کرے وہ شخص بے شک سخی ہے - جس وقت تعریف سخاوت کی ہوچکی تو لازم ہے کہ ہم اُس کے فوائد کثیر کا جو خلقت کو پہنچتے ہیں بیان کریں اور غور کرو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے نیکی سخاوت کی انسان کو اس نظر سے بخشی ہے کہ جو جو انسان موافق احکام اور قوانین اللہ تعالی کے بیکس اور مصیبت زدہ ہوں اُن کی حیات اور گذارہ کے واسطے اور انسان جن کے قواء درست ہیں کوشش کریں - اگر سخاوت انسان میں نہوتی تو حقیقت یہ ہے کہ انسان انسانیت سے خالی ہوتا - ہزارہا اشخاص جو کوشش نہیں کرسکتے ہیں بہ سبب نہونے کھانے یا پوشاک کے جہان فانی سے کوچ کرتے اور کسی کو ان کے باب میں کچھ خیال بھی نہ ہوتا - اطباء غریبوں اور محتاجوں کی نبض تک بھی نہ دیکھتے اور نہ کوئی اسپتال محتاجوں کے لئے ہوتا - بازاروں اور کوچوں میں لاشیں محتاجوں اور فقیروں کی نظر آتیں جو بہ سبب زیادتی بھوک یا نہ ہونے پوشاک کے یا نہونے علاج اُن کی بیماری کے مرجاتے - یہ دنیا جوکہ باغ کی مانند بذریعہ استعمال اس نیکی بزرگ کے کھلی ہوئی ہے مانند ایک دوزخ کے نظر آتی ہے اور انسان اور چرند اور پرند جانوروں میں کچھ فرق نہیں ہوتا اور چند روز میں خلقت خدا کی برباد ہو جاتی ہے - علاوہ اس آرام اور خوشی کے جو بیکسوں اور محتاجوں کو بذریعہ سخاوت کے پہنچتی ہیں ایک فائدہ عظیم یہ ہے کہ سخی آدمی کو عجیب طرح کا سرور حاصل ہوتا ہے کہ وہ نہ تو ناچ دیکھنے سے آتا ہے اور نہ پلاؤ کھانے سے اور نہ شراب پینے - سے یہ خوشیاں ناپائدار مانند ہوا کے ہیں - جب تک ہم ناچ دیکھتے ہیں ہم خوش ہوتے ہیں لیکن انسان ہمیشہ قابل

ناچ دیکھنے کے نہیں ہوتا انسان پر ہزار طرح کی مصیبتیں اور تکالیف ہوتی ہیں۔ ان تکلیفات کے وقت ناچ سے سرور نہیں حاصل ہوسکتا ہے اُس وقت پلاؤ بدمزہ معلوم ہوتا ہے اور شراب کڑوی لیکن جو سرور سخاوت سے حاصل کرتا ہے وہ ہر مصیبت کو خوشی سے سہ سکے گا کیوں کہ اُس کو یہ دلجمعی ہے کہ میں نے موافق مرضی اللہ تعالی کے کام کیا ہے اگر اُس کو نہایت سخت بھی بیماری ہو یا وہ نہایت مفلس ہو اسے کچھ پرواہ نہیں ہوگی کیوں کہ اُس کا دل قوی ہے وہ خیال کرتا ہے کہ بیماری اور مفلسی فقط جسم کو رنج دے سکتی ہے اور چند روز کی ہیں بعد اس کے مجھے اس نیکی کے ثمرہ میں بہت کچھ ملے گا۔ یہ بات تو سب آدمیوں پر روشن ہوگی کہ جس وقت کوئی کار سخاوت کا کوئی آدمی کرتا ہے اُس کو ایک عجیب طرح کی خوشی حاصل ہوتی ہے اور یہ خوشی اللہ تعالی کی طرف سے ہے بعض مکار یہ کہا کرتے ہیں کہ انسان نمود اور اپنی تعریف بہت چاہتا ہے اس واسطے اوروں کو دکھلانے کے لئے وہ سخی ہوجاتا ہے۔ اس جانے ہم دو سوال کرتے ہیں اول تو یہ ہے کہ اور شخص کیوں اس کی تعریف کرتے ہیں اور تعریف بھی دلی۔ یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب انسان کے دل پر یہ نقش ہے کہ سخاوت ایک بڑی نیکی ہے اور سخی آدمی لایق تعریف کے ہے۔ علاوہ اسکے اکثر یہ واقع ہوتا ہے کہ بوقت سخاوت کرنے کے سوائے سخی اور اُس شخص کے جس پر سخاوت کیگئی ہے دوسرا آدمی نہیں ہوتا۔ پس ایسی صورت میں بھی اُس شخص کو نہایت خوشی ہوتی ہے اب ہم دریافت کرتے ہیں اس بات کو کہ کون کون اشخاص مستحق سخاوت کے ہیں۔ یعنی وہ کون آدمی ہیں کہ جنکی مدد کرنا ہر انسان پر لازم ہے۔ اب واضح ہو کہ فقط وہ آدمی جو اپنی زندگی کے لئے کوشش نہیں کرسکتے ہیں وہی مستحق سخاوت کے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ مستحق سخاوت کے ہیں جن پر یکایک

کوئی آفت نا گہانی آجاوے یا ایسے شخص ہیں جو ایک دفعہ کی مدد سے قابل اس بات کے ہوجائیں گے کہ آئندہ کو وہ اپنے گذارے کے واسطے کوشش کرسکیں گے یا وہ آدمی جو ایسی مصیبت میں ہیں کہ وہ فقط اپنی کوشش سے اپنے تئیں اُس مصیبت سے خلاص نہیں کرسکتے۔ سوائے ایسے آدمیوں کے اور آدمیوں پر جو اپنی کوشش سے اپنا گذارہ کرسکتے ہیں سخاوت کرنا فقط بے فائدہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی خطا ہے اور موجب رنج اور مصیبت خلقت کا ہے۔ اکثر اشخاص اہل ہند کی یہ رائے ہے کہ خواہ کسی شخص پر سخاوت کرو سخاوت ہر صورت میں مفید اور اچھی ہے واضح ہو کہ یہ ان کی بڑی غلطی ہے ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ علت غائی سخاوت کی پہچانا آرام اور جہاں تک بنے وہاں تک کم کرنا رنج اور مصیبت خلق خدا کا ہے اب یہ بات صریح ظاہر ہے کہ غیر مستحق کو فائدہ پہنچانا گویا مستحق کو محروم رکھنا ہے۔ کس واسطے اس دنیا میں وہ اشخاص جو مستحق سخاوت کے ہیں یعنی جو اپنی کوشش سے اپنا گذارہ نہیں کرسکتے تھوڑے سے نہیں ہیں بلکہ بے شمار ہیں پس اس صورت میں یہ بات کوئی سخی نہیں کہہ سکتا کہ میں سب محتاجوں اور مستحقوں پر سخاوت کرچکا۔ اس واسطے میں اب اُن آدمیوں کے لئے مدد کرتا ہوں جو محتاج نہیں ہیں یعنی جو اپنے گذارہ کے لئے کوشش کرسکتے ہیں۔ جب یہ حال ہے اس دنیا کا تو صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص سخاوت بیجا کرے گا وہ گویا محتاجوں کے استحاق تلف کرتا ہے مثلاً فرض کرو کہ ایک شخص فقط اتنا مقدور رکھتا ہے کہ دس روپیہ مہینہ خیرات اور سخاوت میں خرچ کرے اب اُسے یہ بات بیجا ہے کہ یہ دس روپیہ بیس آدمیوں ہٹے کٹوں کو دیوے کے وہ اگر ذرا بھی محنت کریں تو اپنی قوت گذاری کرسکتے ہیں اُسے چاہئے کہ دس بیکسوں کو مثل اندھوں لنگڑوں

لولوں اور کوڑ ہیوں اور آدمیوں کے جو اپنے گذارے کے واسطے کوشش نہیں کرسکتے دیوے - اب اگر کوئی سخی پہلی قسم کے آدمیوں پر سخاوت کرے تو جو مستحق ہیں سخاوت کے، اُن کو محروم رکھے گا - جو اشخاص محنت کرسکتے ہیں اگر اُن کو وہ دس روپیہ نہ دے تو وہ ناچار ہوکر کوشش کریں گے اور اپنا گذارہ کرسکیں گے لیکن وہ بے چارے جن کے قوی درست نہیں وہ بے شک مرجائیں گے اب اس کا عذاب اُس شخص پر جس نے سخاوت بیجا کی ہے پڑے گا - مرقومۂ بالا پر یہاں کے لوگوں کو خصوص اہل ہنود کو نہایت غور کرنا چاہئیے کیوں کہ اہل ہنود چھانٹ چھانٹ کے ایسے آدمیوں پر سخاوت کرتے ہیں جو ہٹے کٹے ہیں اور جو خوب اچھی طرح سے کوشش کرسکتے ہیں - میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ یہاں کے صاحب سرمایہ دار اور مہاجن وغیرہ سینکڑوں سنڈ مسنڈوں کو جو باباجی کہلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں نقدی پیش کرتے ہیں اگر کوئی دیکھے تو ان فقیروں کے یہ قوی ہوتے ہیں کے وہ مانند پہلوانوں کے ہوتے ہیں - اب ذرا غور کرنا چاہئیے کہ ان کاہل وجود اور مفت خوروں کی مدد کرنا محتاجوں کو ان کے استحقاق سے محروم رکھنا ہے - اکثر اہل ہنود یہ سمجھتے ہیں کہ ان فقیروں کی دعا سے نجات ہوتی ہے - اور خدا خوش ہوتا ہے افسوس ہزار افسوس! کیا انکی عقل ہے کہ ان جہنمیوں کی دعا خدا کے یہاں قبول ہوگی - واضح ہو کہ خدا منصف ہے اور چاہتا ہے کہ مستحق اپنے استحقاق سے کبھی محروم نہ رہے اور جو باعث محروم رکھنے کا ہو اُس پر اُس کا غضب بے شک آتا ہے -

اوقات کے صرف کے بیان میں

یہ بات ظاہر ہے کہ وقت جو گذر گیا ہے وہ پھر نہیں ہاتھ آسکتا ہے اور جو وقت آنے والا ہے اس کا کیا اعتبار ہے۔ کس واسطے کہ ہمیں ایک لحظے کی خبر نہیں کہ کیا واقع ہوگا۔ پس انسان پر لازم ہے کہ جو جو باتیں اسکے اوپر فرض ہیں انہیں زمانہ حال میں کرے اور آئندہ کے واسطے نہ ٹالے اور نہ گذشتہ کا افسوس کرے کیوں کہ گذشتہ کا افسوس کرنے سے وہ وقت پھر ہاتھ نہیں آسکتا اور آئندہ کی خبر نہیں کہ شاید جو لحظہ اب گذر رہا ہے، ہماری زندگی کا آخری لحظہ ہو کہ اس کے بعد ہم اس جہاں میں نہ پائے جائیں۔ واضح ہو کہ وقت ایک شئے نہایت قیمتی ہے وہ ایک ایسی شئے ہے کہ اس کی قیمت بے انتہا ہے۔ زر اور جواہرات موجود ہوسکتے ہیں لیکن وقت گذشتہ کسی طرح ہاتھ نہیں آسکتا ہے۔ پس جو شخص اسے ضائع کرے وہ بڑا فضول خرچ اور بے ہوش ہے۔ ہر آدمی پر لازم ہے کہ اپنے وقت کو ذرا سا بھی ضائع نہ کرے اور اس کو مختلف کاموں پر منقسم کرلے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس وقت کوئی کار نیک اور اچھا نہ بن آوے اور وہ وقت گذر جائے تو جاننا چاہئے کہ وہ وقت کھویا گیا۔ چنانچہ ایک شاہنشاہ روم کا جس کا نام طے طوس تھا اور جو نہایت نیک بادشاہ تھا اپنے اوقات کو اچھے کاموں میں صرف کیا کرتا تھا اور جس دن اس سے کوئی نیک کام نہ بنتا تو وہ نہایت افسوس کرکے کہا کرتا کہ میں نے ایک دن کھودیا لیکن ہزارہا آدمی ایسے ہیں کہ ان کے بیسیوں برس نکمے گذر جاتے ہیں اور انہیں کچھ خیال نہیں ہوتا بلکہ وہ غنیمت سمجھتے ہیں کہ ہماری زندگی کسی نہ کسی طرح کٹ گئی ان کے نزدیک یہ بات ہے کہ زندگی کو

گذارنا ہے اسے چاہے جس طرح سے کاٹ دیا۔ یہ ان کی بڑی غلطی ہے۔
انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی شئے عاقبت بھی ہے اور یہ دنیا چند روزہ
ایک جائے امتحان کی ہے کہ یہاں انسان کی نیکی اور استقلال اور سخاوت
اور مروت اور حق پرستی وغیرہ کا امتحان ہوتا ہے اور بعد ازآن اسے عالم
بقا میں موافق اس کے کاموں کے انعام یا سزا ملتی ہے۔ جب یہ حال دنیا کا
ہے کہ یہ چند روزہ ہے اور جائے تیاری کرنے کے واسطے مقام پائیدار کی
ہے یعنی یہ دنیا اس واسطے ہے کہ یہاں جتنے نیک کام بن سکیں اتنے
کام کرلیں تاکہ آئندہ کو فائدہ ہو تو وہ نہایت عاقل آدمی ہے جو اپنے اوقات
کو واہیات میں صرف نہ کرے۔ علاوہ ازیں یہ زندگی چند روز کی ہے یہ
تحقیق ہے۔ بعض پیدا ہوتے ہی مرجاتے ہیں اور بعض جوانی میں۔ علاوہ
خیال عاقبت کے اس دنیا میں بھی خوشی اور سرور اُسی کے واسطے ہے
جوکہ اپنی اوقات کو اچھی طرح سے صرف کرے۔ قطع نظر فوائد کثیر کے
جو بہ سبب اچھی طرح سے صرف کرنے وقت کے انسان کو حاصل ہوسکتے
ہیں ایک یہ بات بہت خوب ہے کہ جو آدمی اپنا وقت اچھی طرح سے
صرف کرتا ہے اس کی ہمیشہ خاطر جمع رہتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ
میں نے اپنے وقت کو خوبی سے صرف کیا اور اللہ تعالی مجھ سے خوش ہوگا
اس دلجمعی سے اسے زیادہ سرور حاصل ہوتا ہے بہ نسبت تمام عیش
اور عشرت اس دنیا کے۔ لیکن وہ شخص جو اپنی اوقات کو واہیات میں
صرف کرتا ہے ہمیشہ پریشان اور پشیمان رہتا ہے۔ جب وہ ذرا دل میں
سوچتا ہے تو وہ آہ کھینچ کر آپ ہی آپ افسوس کیا کرتا ہے کہ میری زندگی
ناحق گذرتی ہے۔ اگر کوئی دریافت کیا چاہے کہ اوقات کو اچھی طرح سے
صرف کرنے سے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں اُسے لازم ہے کہ قوم انگریز
اور اہل فرنگ پر نظر کرے کہ ان میں سے اکثر لوگ اپنے اوقات کو اچھی

طرح سے صرف کرتے ہیں۔ یہ دولت اور حشمت اور عقل اور علم انھیں کیوں کر حاصل ہوا؟ اس کا باعث یہی ہے کہ ہمیشہ ہر بات پر وہ غور کرتے ہیں اور اپنے وقت کو مختلف کاموں کے واسطے تقسیم کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے دیکھو حال اکثر رئیسوں اس ولایت یعنی ہندوستان کا کہ وہ اپنے اوقات کو واہیات میں صرف کرتے ہیں اور ان کا حال ملاحظہ کرنے سے نقصان کثیر وقت کے ضایع کرنے کے معلوم ہو جائیں گے۔

(۵)

عام مضامین

۱۔ خواب

۲۔ میلہ ہردوار کا بیان

۳۔ چھاپے کی ایجاد کا بیان

٤۔ دلچسپ بیان نمک کا

خواب

کوئی ایسا آدمی نہیں ھے جس کو خواب نہیں آیا ہوگا لیکن سب آدمی حیران ھیں کہ خواب کیا ھے؟ اور کس طور سے پیدا ہوتا ھے۔ حقیقت یہ ھے کہ خواب کا باعث بالتحقیق دریافت کرنا ہرصورت میں ایک امر محال معلوم ہوتا ھے پھر بھی عاقلوں اور ذہینوں نے کچھ کچھ حال اس عجیب شئے کا لکھا ھے اور چونکہ یہ مضمون بہت دلچسپ ھے اس واسطے ہم بھی اس جائے حال خواب کا لکھتے ھیں اور جہاں تک کہ حکماء فرنگ نے اس امر میں تحقیقات کی ھیں وہاں تک اس رسالے میں درج کریں گے۔ واضح ہو کہ خواب دو باعثوں سے اکثر ہوتے ھیں۔

(۱) اثناء نیند میں ہم یہ یقین کرلیتے ھیں کہ جو جو خیالات ہمارے ذہن میں موجود ھیں وہ حقیقت میں درست اور صحیح ھیں اور وہ باتیں جن کا ہمیں خیال آتا ھے وہ حقیقت میں موجود ھیں اور اس غلطی کو کہ یہ باتیں خواب کی درست نہیں ھیں بلکہ غلط، نیند میں درست نہیں کرسکتے ھیں۔ کس واسطے کہ سوتے ہوئے ہمیں یہ اختیار نہیں ہوتا کہ ہم حقیقی باتوں سے اُنہیں مطابق کرکے اُن کی غلطی دریافت کرلیں۔ خلاف اس کے ہم جاگتے ہوئے ان کی غلطی بآسانی دریافت کرلیتے ھیں۔ مثلاً جس وقت ہم جاگتے ہوتے ھیں اور اپنے گھر میں بیچ مقام دہلی کے بیٹھے ہوئے ھیں اس وقت ہم یہ خیال کریں کہ ہم مقام لندن میں موجود ھیں اور وہاں کے ملک کی سواری دیکھ رہے ھیں۔ پس اس صورت میں ہمارے دل میں خیال بندھ جائے گا اور ایسا معلوم ہوجائے گا کہ ہم گویا لندن میں موجود ھیں لیکن

اس وقت ہمیں یہ اختیار ہے کہ اُس خیال کو دور کردیں اور ادھر اُدھر دیکھ کر یہ جان لیں کہ لندن کہاں ہے اور ہم تو دھلی میں اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ خلاف اس کے نیند میں ہمیں یہ اختیار نہیں ہوتا۔ جب ہم سوتے ہوتے ہیں اُس وقت اس غلطی کو درست نہیں کرسکتے ہیں۔ مثلاً ہمیں نیند میں یہ خیال آجاتا ہے کہ ہم شہر لندن میں سیر کررہے ہیں اور چونکہ اس خیال کی غلطی کو اس صورت میں درست نہیں کرسکتے ہیں جب کہ ہم جاگتے ہوئے خیال کرسکتے ہیں تو ہمیں اس وقت یقین کلی ہو جاتا ہے کہ جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ حقیقت میں موجود ہے اور اس خیال کے یقین کو خواب کہتے ہیں۔

(۲) نیند میں جو خیال پیدا ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طور سے کہ جہاں ایک خیال آیا اسی وقت اور سب خیال بھی جو اس سے کچھ بھی علاقہ رکھتے ہیں آدمی کے دل میں آجاتے ہیں اور ان خیالوں کو ہم روک نہیں سکتے۔ جیسا کہ ہمیں جاگنے کے وقت میں اختیار ہوتا ہے ان دونوں باتوں پر غور کرنا چاہئے اور بعد ازاں معلوم ہوگا کہ اکثر خوابوں کے باعث دو باتیں ہوتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خیالات ایسی باتوں کے جو چند روز پہلے واقع ہوئے تھے ایک دوسرے سے پیوستہ ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بات خواب میں واقع ہوئی وہ ایک ایسی بات سے پیوستہ ہو جاتی ہے جو بہت مدت پہلے واقع ہوئی تھی اور اس صورت میں جب ایک کا ان باتوں میں سے خیال آتا ہے اُس وقت دوسرے کا بھی خیال آجاتا ہے اور یہ دونوں باتوں کا خیال ایک ایسی بات سے آجاتا ہے جو ان دونوں سے مشترک ہے مثلاً جس وقت ہماری طبعیت نادرست اور رنجیدہ ہو

اور اس وقت ہمیں اپنے بھائی کا جو فاصلہ بعید پر سفر کرتا پھرتا ہے خیال آوئے اور یہ بھی معلوم ہو کہ اسے کچھ تکلیف ہے اور اسی وقت کچھ اور بری خبر سنی ان سب باتوں سے ملکر ایک خواب پیدا ہو جائے گا۔ ان سب باتوں میں ایک ایسی شئ ہے کہ وہ سب میں پائی جاتی ہے یعنی وہ کچھ تکلیف ہے۔کیونکہ ان سب باتوں سے تکلیف پیدا ہوئی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کچھ تکلیف جسم میں ہوتی ہے مثلاً بدہضمی یا کوئی اور بیماری معدے کی اور جب اس حالت تکلیف میں نیند آجاتی ہے اس وقت برے برے خواب دیکھنے میں آتے ہیں کیونکہ ساتھ تکلیف معدہ کے اور خیال بھی تکلیف کے آجاتے ہیں اگر یہ تکلیف معدے کی نہوتی تو خواب میں بری بری باتیں نہ دیکھتے۔ اگرچہ وہ اشخاص اور مکان جو خواب میں مشاہدہ کیا جاتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے لیکن کوئی شئ خوفناک نظر آتی ہے۔ یہ سب ناظرین کو معلوم ہوگا کہ اکثر ڈراونے خواب عورتوں کو آیا کرتے ہیں جو ضعیف ہوتی ہیں اور جن کو خلل معدہ کا اکثر رہتا ہے کیونکہ بہ سبب تکلیف معدہ کے انہیں خیالات تکلیف کے وقت نیند کے دل میں آجاتے ہیں اور ان کو خواب برے برے دکھائی دیتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی ایک واقف کار سے ملتے ہیں جس سے ہماری سالہا سال سے ملاقات نہیں ہوئی تھی اور اس سے ہم حال اپنے اور قدیم دوستوں اور واقف کاروں کا پوچھتے ہیں اور اور باتوں کا آپس میں ذکر کرتے ہیں بعد اسکے سوتے ہوئے ایک خواب پیدا ہوتا ہے کہ اس میں ان سب پرانے دوستوں سے جن کا ذکر دن میں آیا تھا ملاقات ہوئی ہے اور مختلف ذکر ان سے ہوتے ہیں لیکن وہ خاص شخص جس سے ان پرانے دوستوں کا حال معلوم ہوا تھا خواب میں نہیں موجود ہوتا ہے۔ اور اس کا باعث ظاہر ہے کہ اس سلسلہ خیالات

میں جس سے خواب پیدا ہوا تھا اس شخص کو دخل نہیں۔ ایک ڈاکٹر انگلیشہ نے بہت سے خوابوں کا حال جو اس کو اور اس کے واقف کاروں کو واقع ہوئے تھے لکھتا ہے اور چونکہ وہ آدمی بہت محقق ہے تو اکثر اسکی بات کا یقین ہوتا ہے وہ یہ لکھتا ہے کہ ایک دن میں گرم پانی میں اپنے پاؤں ڈال کر لیٹ رہا اور سو رہا اور بعد ازآن یہ خواب دیکھا کہ مین دہانہ پہاڑ آتشی پر پھر رہا ہوں اور مارے گرمی کے میرے پاؤں جلے جاتے ہیں۔ اب باعث اس خواب کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند روز پہلے وقوع اس خواب کے اس نے مفصل حال آتشی پہاڑ پڑھا یہاں تک کہ اس عجیب شئے کا خیال اس کے دل میں جم گیا تھا۔ چونکہ گرمی پانی کی نے اس کے پاؤں کو ذرا گرمی پہنچائی اس نے خیالات پہاڑ آتشی کے اس کے دل میں اُٹھائے اور گرمی پانی کی اس نے گرمی دہانہ پہاڑ آتشی کی تصور کرلی۔ اب اگر یہ شخص جاگتا ہوتا تو اپنے گھر اور اسباب کو ادھر اُدھر دیکھ کر یہ جان لیتا کہ پہاڑ آتشی کہاں ہے یہ تو میرا گھر ہے اور گرم پانی میں میرے پاؤں رکھے ہوئے ہیں لیکن سوتے ہوئے یہ خیال نہیں رہا اور جو جو خیالات پڑھنے حال آتشی پہاڑ کے پیدا ہوئے تھے اس کو صحیح اور تحقیق معلوم ہوئے اور اس کو شک نہ ہوا کہ یہ سب خیالات ہیں اور نفس الامر میں اُن کا وجود نہیں ہے۔ ایک دفعہ اسی ڈاکٹر نے یہ خواب دیکھا کہ میں قریب خلیج ہڈسن کے مقیم ہوں اور وہاں سردی اور برف کے باعث مجھے نہایت تکلیف ہے۔ باعث اس خواب کا یہ ہوا کہ چند روز پہلے وقوع اس خواب کے اس ڈاکٹر نے حال خلیج ہڈسن کے آس پاس کے ملک کا پڑھا تھا اور یہ بھی وہاں لکھا دیکھا تھا کہ وہان نہایت سردی اور برف پڑتی ہے اور باعث اس کا یہ بھی خیالات نیند میں کیونکر دل میں آگئے یہ ہوا کہ نیند کی بے خبری میں ڈاکٹر مذکور نے اپنی رضائی اپنے

اوپر سے الگ پھینک دی تھی اور اس سبب انہیں سردی معلوم ہوئی اور تکلیف اس سردی نے خیالات سردی خلیج ہڈسن کے دل میں اُٹھائے۔ اس ڈاکٹر نے ایک عجیب حال خواب ایک انگریز اور اسکی بیوی کا لکھا ھے کہ ان دونوں کو ایک ہی وقت ایک ہی خواب واقع ہوا۔ واضح ہو کہ جس اوقات کا یہ ذکر ھے اُن اوقات میں ملک فرانس میں ایک بڑی گڑبڑ ہوئی تھی اور اہل فرانس نے اسکاٹ لینڈ پر جس کا دارالخلافہ ایڈنبرا ھے مہم کرنیکا اردہ کیا تھا اور اس باعث شہر ایڈنبرا میں تھلکہ عظیم واقع ہوا اور ہر وقت سپاہ واسطے جنگ کے موجود رہتی تھی۔ غرض یہ کہ ہر آدمی اس شہر میں بیچ اس وقت کے ایک سپاہی بن گیا تھا اور سب یہ توقع کررہے تھے کہ اب فرانس والے حملہ آور ہوتے ھیں۔ ان دنوں میں انگریز مذکور نے یہ خواب دیکھا کہ سپاہ فرانس ایڈنبرامیں داخل ہوئی اور جنگ و جدل طرفین سے شروع ہوئی جب یہ حال اس انگریز کا تھا اس وقت اس کی بیوی نے بھی یہی خواب دیکھا اور گھبرا کے جاگ گئی اب ظاہر ھے کہ باعث اس خواب کا یہ ہوا کہ اول تو ان دونوں بیوی اور خاوند کے خیال نیند میں جنگ اور جدل کے جمع ہوئے تھے اور باعث اس کا یہ کہ خیال رات کو نیند میں ان دونوں کے دل میں کیوں آگئے یہ تحقیق ہوا کہ جب یہ دونوں سوتے تھے اس وقت ایک بڑا دست پناہ جو بری طرح سے ایک جائے اونچا رکھا ہوا تھا زمین پر گر پڑا اور اس کی آواز مثل اوزار تلواروں اور ہتیاروں جنگ کی معلوم ہوئی اور فوراً سب خیالات جنگ و جدل کے جو ان کے دل میں جمع تھے ان کے خیال میں آگئے اور خواب پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر فرائیڈ جو ایک بڑا فاضل تھا ایک خواب کا حال جو اُس نے خود دیکھا تھا اس طور پر لکھتا ھے۔ میرے سر پر ایک پھوڑا ہوگیا تھا اور اس کے

اوپر میں نے ایک پھایا لگا رکھا تھا رات کے وقت جب میں سوتا تھا کسی
باعث سے وہ پھایا اپنی جائے سے ہل گیا اور اس باعث سے مجھے تکلیف ہوئی
اور مجھے یہ خواب دکھائی دیا کہ جنگل کے وحشی آدمی مجھے گرفتار
کرکے میرا پوست سر سے اُتارتے ہیں۔ باعث اس خواب کا ظاہر ہے کہ
اس ڈاکٹر مذکور کو حال وحشیوں کی زیادتیوں اور عادتوں کا خوب معلوم
تھا اور اس کا باعث کہ یہ سب خیالات نسبت وحشیوں کے خاص اُسی رات
اس کے دل میں کیوں آگئے یہ ہے کہ اُس رات کو پھایا اس کے سر کے
پھوڑے کا ذرا اُکھڑ گیا تھا اور اُکھڑنا ایک پھائے کا بہت مشابہ چمڑی
اتارنے کے ہے۔ اس جائے واضح ہو کہ بعض آدمیوں کو یہ عادت ہوتی
ہے کہ جس وقت وہ سوتے ہوں اُس وقت کوئی آدمی یا ان کا دوست انکے
کانوں میں کچھ باتیں آہستہ سے کہدے تو اُن سوتے ہوئے آدمیوں کو خواب
اُن ہی باتوں کا آجائے جو جاگتے ہوئے آدمیوں نے اُن کے کانوں میں کہی
تھیں۔ ڈاکٹر مذکور نے اپنی کتاب میں ایک عجیب حال اس قسم کے خواب
دیکھنے والے آدمی کا لکھا ہے واضح ہو کہ سنہ ۱۷۵۸ء میں ایک مہم
مقام لواس برگ پر ہوی تھی اور فوج مقررہ اس مہم میں ایک افسر عادت
ایسے خواب دیکھنے کی رکھتا تھا کہ اُس کے دوست جو اُس سے بے تکلف
تھے اور اسے اکثر حیران کرتے تھے یعنی جب وہ سوتا تو اُس کے کان پر
منھ لگا کر چاہے جو کچھ کہہ دیتے اور ویسا ہی خواب اُس افسر کو آجاتا
اور وہ اُنھیں خواب کے موافق عمل کرنے لگتا۔ ایک بار اُس کے دوستوں نے
کان میں ایسی ایسی باتیں کہیں کہ اُس کو ایک اور آدمی سے خواب میں
خفا کرادو یا یہاں تک کہ دونوں میں جنگ کی تیاری کروادی اور طبنچہ اُس
کی ہاتھ میں دیا اور اُسی خواب کا اس قدر غلبہ ہوا کہ اُس طبنچہ کو
جس میں گولی نہیں تھی سر کیا اور اس کی آواز سے جاگ اُٹھا اور اسکی

بڑی ہنسی ہوئی - ایک اور دفعہ سوتے ہوئے اس کے دوستوں نے اُس کے کان میں یہ کہا کہ تو دریا میں گر پڑا اور یہ بھی اُسے صلاح دی کہ اب تیرنا لازم ہے نہیں تو تو ڈوب جائے گا چنانچہ اُسے بھی خواب نظر آیا کہ میں پانی میں گر پڑا اور اس نے ہاتھ پاؤں مارنے بطور تیرنے کے شروع کئے اور بعدا اُس کے دوستوں نے یہ کہا کہ ایک مگرمچھ تجھے پکڑنے کو آیا ہے پس تجھے لازم ہے کہ تو بہت تیر کے خشکی پر آجا چنانچہ اس نے بہت کوشش کی اور اس کوشش کے باعث سے وہ پلنگ پر سے گر پڑا اور اُس کی بڑی ہنسی ہوئی -

---

میلہ ہردوار کا بیان

چونکہ یہ ایک بڑا میلہ ہندوستان میں ہوتا ہے اس واسطے اس کا کچھ ذکر کرنا مناسب سمجھا - واضح ہو کہ ہردوار ایک چھوٹا سا شہر کنارے پر واقع ہے - یہ مقام درمیان لق و دق جنگل اور دریائے گنگ کے واقع ہے اور جنگل مذکور مشرق میں اس کے ہے - چونکہ ہندو گنگا کو بہت پاک سمجھتے ہیں اسواسطے جوق جوق ہنود ہر ضلع ہندوستان سے وہاں ماہ اپریل میں نہانے جاتے ہیں - اگرچہ بعض اوقات اس میلے میں دس لاکھ آدمیوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں لیکن اکثر تین لاکھ آدمیوں سے زیادہ جمع نہیں ہوتے - جس میں سے ایک تھوڑا حصہ زائرین کا ہوتا ہے اور سب تماشہ بین اور سوداگر لوگ ہوتے ہیں - اس موقع پر صاحبان انگریز بھی قریب تین سو کے جاتے ہیں جن میں بعض تو صاحبان واسطے انتظام کے تشریف لاتے ہیں اور بعض بحکم سرکار گھوڑے خریدنے آتے ہیں

باقی صرف بطور سیاح جاتے ہیں۔ بہتیرے دولت مند مسلمان بھی واسطے سیر کے جاتے ہیں اور اکثر واسطے خرید و فروخت اشیاء کے، جو کہ دور دور سے آتی ہیں جاتے ہیں۔ شہر کسکل جو تین میل کے فاصلے پر ہردوار سے ہے نہایت خوبصورت اور قابل سیر کے جگہ ہے۔ وہاں مکانات پتھر کے کنارے دریا پر بنے ہوئے ہیں اور امیر لوگ ان کو جا کر بطور کرایہ لیتے ہیں یا بعض شخص خرید لیتے ہیں۔ بہتیرے لوگ ڈیرے ساتھ لے جاتے ہیں اور ان میں رہتے ہیں اور باقی لوگ چھپروں اور سائے بانوں اور درخت کے سایہ کے نیچے اُترتے ہیں۔ صاحبان انگریز کے ڈیرے دو طرفہ سڑک پر مشکل سے کھڑے کئے جاتے ہیں اور بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں اور مسلمان لوگوں کے بھی ڈیرے بہت آراستگی کے ساتھ ہوتے ہیں اور ہر طرف گھوڑے اور ہاتھی اور نوکروں وغیرہ کا بھی ان کے ساتھ ہجوم ہوتا ہے جس سے کہ آرایش میلہ کی اور بھی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ ہردوار کے نزدیک پہنچتے ہیں تو سڑک پر عجب سیر آنے والوں کی ہوتی ہے ہزارہا موٹے موٹے برہمن اور سادہ لوگ چارپائیوں پر چلے آتے ہیں اور لوگ ڈولیوں اور پالکیوں اور شتروں اور گاڑیوں اور چھکڑوں اور بیلوں پر آتے ہیں۔ قریب ہردوار کے جہاں سے کہ سڑک نیچے کو جھکتی ہے وہاں سے شہر ہردوار اور میلہ دکھائی دینے لگتا ہے اور عجب گڈمڈ ہجوم اور طرح طرح کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں کہ آدمی کی نگاہ ایک جگہ

قایم نہیں رہ سکتی۔ امیر کبیر، ہندو عورتوں، وغیرہ کے واسطے الگ گھاٹ نہانے کے مقرر ہوجاتے ہیں اور دریا کے اندر بھی وہ نہایت عمدہ ڈولوں مین بیٹھ کے جاتی ہیں اور باقی عورتیں اُس وقت کچھ پردہ نہیں کرتیں جبکہ نہان کا وقت آتا ہے اس وقت گھنٹے بجتے ہیں اور ایک دفعہ ہی لاکھوں آدمی ڈیروں اور جھونپڑیوں میں سے نہانے کے واسطے

جاتے ہیں اور اس ہجوم میں ایک دفعہ تین سو آدمی مر گئے تھے - اُس وقت
عجب تماشہ ہوتا ہے کہ ہر ایک آدمی اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے -
برہمن لوگ بڑی گرم جوشی سے اپنا خراج زایرین سے جمع کرتے ہیں
اور دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی شخص بغیر ادا کرنے کے نہاکر نہ چلا جاوے
ہرطرح کے فقیر اپنی معاش کے حاصل کرنے میں مشغول ہوتے ہیں اور
تماشہ بین ادھر اُدھر پیدل اور سواریوں پر دیکھتے پھرتے ہیں باوجودیکہ
لاکھوں آدمیوں کا وہاں غل ہوتا ہے لیکن اس پر بھی صدہا گھنٹے اور
نفریں بجتی ہیں اس موقعے پر ہر ملک کا شخص مثلاً پہاڑی اور اوزبک اور
تاتار اور اہل عرب اور افغان اور سکھ اور کشمیری اور اہل تبت اور چین
جمع ہوتے ہیں اور مختلف اشیاء واسطے فروخت کے لاتے ہیں- اور
گھوڑے اور ہاتھی اور اونٹ نہایت کثرت سے بکنے کو آتے ہیں- اس میلہ
میں ہرطرح کے دوکاندار اور سوداگر نہایت آراستگی اور شان کے ساتھ
دوکانیں لگاتے ہیں- انواع انواع کے جواہرات اور دوشالہ اور کھلونا اور
انگریزی اسباب بکنے کو آتا ہے - صدہا خوانچے والے اور پھیری والے
بساطی ہر ایک قماش کی چیزیں لئے غل کرتے پھرتے ہیں اور کسی طرف
ہزارہا من اناج کے ڈھیر اور کسی طرف میوے کے تھیلے لگے ہوتے ہیں
اور چونکہ اس میلہ پر شیرینی کا بہت خرچ ہوتا ہے تو ہزارہا من مٹھائی
ہرطرح کے حلوائیوں کی دوکانوں پر پائی جاتی ہے - شام کے وقت امیروں
کے گھر پر ناچ ہوتے ہیں اور راستے میں بھانمتی اور مداری اور نٹ
اپنا اپنا تماشہ دکھاتے ہیں- رات کو روشنی کی نہایت عجیب کیفیت ہوتی
ہے - گنگا پر لوگ چراغ رکھتے ہیں اور چراغ رکھ رکھ کر دریا میں
چھوڑتے ہیں اور تمام سطح پانی کی روشنی چراغوں سے سرخ معلوم ہوتی
ہے اور جب آدھی رات سے زیادہ گذرجاتی ہے اور غل کم ہوتا ہے اور

روشنی میں بھی کمی ہوتی ہے اُس وقت چور اور قزاق اور بڑے بڑے اس
فن کے جاننے والے نکلتے ہیں اور جو کچھ، اُن کا قابو ہوتا ہے لے جاتے
ہیں اکثر ہندوستانیوں کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنا روپیہ اشرفی تکیوں میں رکھکر
اپنے سرہانے دھر کر سویا کرتے ہیں تو چور لوگ اس میں عجب چالاکی
کرتے ہیں جب جانا کہ سب سوتے ہیں تب ایک تنکا لیکر ناک کے اندر
یا کان میں ہلکے سے کرتے ہیں اور جب اُس کو گدگدی معلوم ہوتی ہے وہ
کروٹ لیتا ہے اور چور تکیہ نکال کر بھاگ جاتے ہیں۔ قبل اس کے کہ
صاحبان انگریز کی عملداری وہاں نہیں تھی، میلہ میں بڑی جنگ وجدل ہوا کرتی
تھی اور خوب خونریزی ہوتی تھی۔ اب ضلع کا مجسٹریٹ جاتا ہے اور
پولیس قایم ہوتا ہے اور پلٹن انگریزی بھی آتی ہے اور بخوبی انتظام ہوتا
ہے اور یہ چوری اور خونریزی نہیں ہوتی اور شراب وہاں بکنے نہیں پاتی
جو کہ مخزن خرابیوں کی ہے۔ کوئی آدمی مسلح نہیں میلے میں داخل ہونے پاتا۔
ہر شخص کے ہتیار ایک خاص مقام پر حکم سرکار سے چھین کر جمع کرتے ہیں
اور اُس کو ایک ٹکٹ ملتا ہے اور بروقت مراجعت میلہ کے، مالک کو
اُس کا ہتیار مل جاتا ہے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ساٹھہ لاکھہ تلواریں
جمع ہوئی تھیں۔

چھاپے کی ایجاد کا بیان

ظاہر ہووے کہ سب صنعتوں سے چھاپا بہت بہتر صنعت ہے اور
اس کے فائدے اور منفعتیں بہت ہیں کیوں کہ اس کے وسیلے سے بہت نوع
کے علوم اور بہتیرے فنون دنیا میں رواج پائے اور لوگوں میں ظاہر اور

مشہور ہوئے اور یقین ہے کہ اس کے فائدے بادشاہت کے فائدے کے برابر ہیں۔ جس وقت یہ صنعت ایجاد نہ ہوئی تھی لوگ قلم سے لکھتے تھے اور کتابوں کی طرف سے محتاج تھے اور اُس زمانے میں علم بہت کم اور نایاب تھا اور علماء جن کتابوں کو تصنیف کرتے تھے سب ملکوں میں پھیلنے نہیں پاتیں تھیں اور رواج ان کا بہت کم ہوتا تھا۔ اس کے سوائے یہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے جہاں کہ کوئی کتاب تصنیف ہوتی تھی۔ بہت دنوں میں اُن کتابوں کو تھوڑا سا جانتے تھے۔ دوسرے ملک کے لوگوں کو ان کتابوں کا جاننا بہت مشکل ہوتا تھا۔ بہت دنوں کے بعد کہیں اُن لوگوں کو خبر ہوتی تھی۔ اس سبب سے علم کا بازار بہت ہی سرد تھا اور عالم بہت کم تھے اور ان کی مجلسیں بے رونق تھیں۔ اُس وقت میں ولایت کے لوگ اصلا علم سے بہرہ نہیں رکھتے تھے اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ سب کے سب جاہل تھے اور جہالت کی تاریکی میں رہتے تھے اُس وقت میں یہ بات تھی کہ چند آدمی بقدر ضرورت لکھنے پڑھنے کو جانتے تھے لیکن اچھے علوم اور فنون سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ جب سے چھاپے نے دنیا میں رواج پایا تب سے اتنی بے شمار کتابیں چھاپی گئیں کہ دنیا علم کے نور سے روشن ہوگئی اور بہت لوگ عالم ہوئے اور ان کی مجلس کو رونق ہوئی۔ اگلے زمانے میں دنیا جہالت کی تاریکی سے جیسی تاریک تھی، چھاپا ہونے کے بعد انواع علوم اور فنون کے نور سے ویسی ہی روشن ہوئی اس صنعت کے وسیلے سے جھوٹ اور سچ میں اچھی طرح سے جلد امتیاز ہوسکتا ہے کیوں کہ بہتری کتابیں چھپتی ہیں اور ہر ایک ملک میں جانے کے بعد جبکہ لوگ انہیں دیکھیں گے اور فکر و تامل کریں گے اپنی عقل کے زور سے بخوبی جھوٹ اور سچ میں تمیز کرسکیں گے۔ اگر کوئی شخص کوئی کتاب تصنیف کرے تو چھاپے کے سبب سے جلد مشہور ہوجاتی ہے اور مشہور ہونے کے بعد جب لوگ دیکھیں

اور پسند کریں تو یقین ہوگا کہ جو اس میں ہے سب سچ ہے - خلاصہ
یہ کہ صنعت چھاپے کی فایدہ بے حساب و بے شمار رکھتی ہے - اگر چھاپا نہوتا تو
بہتیرے علم کے دروازے بند ہوجاتے - جاننا چاہئے کہ فائدے کی معتبر کتابیں
اگر چھپیں تو بہت دن تک رہتی ہیں اور اگلے زمانے میں جب بہتیرے ملک
غارت ہوئے مثلاً یونانی اور رومیوں کی کتابیں جو قلمی تھیں جب وہ ملک
غارت ہوا تو ان کی آدھی کتابیں غارت ہوگئیں - جب چھاپا ظاہر ہوا ان
کی باقی کتابیں چھاپی گئیں اور وے ساری کتابیں آج تلک موجود ہیں اور ان
کی کتابیں اس قدر چھپیں کہ تمام ملک میں پھیل گئیں اور دنیا میں مشہور
ہوگئیں اب ممکن نہیں کہ وے سب کتابیں غارت ہوں - کیوں کہ وے کتابیں
اگر کسی آفت کے سبب سے ایک ملک میں غارت ہوجائیں تو دوسرے
ملک میں البتہ موجود ہوں گی - یہ بھی جاننا چاہئے کہ صنعت چھاپا ظاہر ہونے
کے بعد فایدے کی کتابوں سے کوئی کتاب نقصان نہیں ہوئی اور اگلے اخبار
اور قصے اور اُن کے احوال صنعت چھاپا ظاہر ہونے کے آگے کسی کو معلوم
نہ تھے بلکہ سب جہالت میں پڑے تھے اور جو لوگ صنعت چھاپا ظاہر
ہونے کے آگے تھے کوئی آدمی ان کے احوال سے خبر نہیں رکھتا تھا
بلکہ ان کی اولاد اور پوتے انہیں نہیں جانتے تھے کہ ان کے باپ کس قوم
سے تھے اور کون مذہب رکھتے تھے اور کس دین سے تھے کیوں کہ جو
احوال ان کا لکھا ہوا تھا سب معدوم ہوگیا - ہندو پنڈتوں کی بہتیری کتابیں
معدوم ہوگئیں اب سوائے نام کے کچھ باقی نہ رہا اور جس قدر موجود ہیں
اگر چھپتیں تو بے شک ہمیشہ باقی رہتیں - چوں کہ صنعت چھاپے کی شان
بہت بڑی ہے اور اسکے ایجاد کرنے والے کے کمال پر دلیل ہے اسواسطے
شہر ہارلم کے لوگوں سے جو ملک جو ہولینڈ سے متعلق ہے اور شہر منش کے
لوگوں سے جو ملک جرمن سے متعلق ہے صنعت چھاپے کی ایجاد کرنے

میں قضیہ ہوا ہے۔ اُن دونوں فرقے میں سے ہرایک فرقہ دعوی کرتا ہے کہ
ہم نے اس صنعت کو ایجاد کیا ہے لیکن شہر منش کے لوگوں کا دعوی
بلا دلیل ہے کوئی گواہ شاہد نہیں۔ یہ صرف دعوی ہے کیوں کہ عالموں
کی تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ شہر ہارلم کے لوگوں نے چھاپا ایجاد کیا
ہے اور یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شہر منش کے رہنے والوں نے اس صنعت
کو زیب و زینت بخشی ہے اور رونق دی ہے نہ کہ ایجاد کیا ہے۔ اغلب
کہ ایک ہزار چارسو تیس سنہ ۱۴۳۰ء میں لارن شش نام ایک شخص نے
شہر ہارلم میں بازی کے لئے ایک درخت کے سر پر حروفوں کا نقش بنایا
اور اُس میں سیاہی ڈال کے اُس پر ایک سفید کاغذ وصل کردیا اور جب
اُسی کاغذکو اُٹھایا تو حرفوں کا نقش بہت اچھا ظاہر ہوا لوگوں نے اُس کو
دیکھ کے لکڑی پر حرف کھود کے چھاپا شروع کیا بعد اسکے چھوٹی چھوٹی
لکڑیوں پر ایک ایک حرف کھود کے بہتیری کتابیں چھاپی گئیں اس صنعت
کی ایجاد کا بیان یہی ہے۔ جاننا چاہئے کہ چھوٹی لکڑیوں پر حروف کھود نے
میں بڑی دیر ہوتی تھی یہاں تک کہ ایک کتاب چھاپنے میں چھ سات برس
گذر جاتے تھے۔ بارہ برس گذرنے کے بعد یعنی ایک ہزار چارسو بیالیس
سنہ ۱۴۴۲ء میں فشتش نام ایک شخص جو چھاپے خانہ میں تھا تمام حروف
اور سارا اسباب ایک کارخانہ کا لے کے رات کو وہاں سے بھاگ کر شہر
منش میں گیا اور وہاں اس صنعت کو رواج دیا اور کتاب چھاپنے میں مشغول
ہوا دو تین برس کے بعد جب دیکھا کہ جن لکڑیوں پر حروف کھودے ہوئے
ہیں تھوڑے دن میں گھس جاتے ہیں اور ناکارہ ہوتے ہیں اس طرز کو
چھوڑ کے سیسے پر حروف کھودنے لگے پس چھاپا کرنے کے دو طریق
ہوگئے۔ پندرہ برس گذرنے کے بعد یعنی ایک ہزار چارسو ستاون سنہ ۱۴۵۷ء
میں شیپھر نام ایک شخص اس کام میں فشتش مذکور کا شریک ہوا اور

اُن دونوں نے آپس میں عہد و پیماں اور قول و قرار کیا کہ جس قدر نفع ہوگا آدھے حصے کو لیں گے - تب دونوں اس کام میں مشغول ہوگئے چونکہ حروف کے نقش کھودنے میں بڑی دیر ہوتی تھی شیپہر نے اس طریقے کو چھوڑکے دوسرا طریقہ اختیار کیا وہ یہ ھے کہ حروف کے نقش کو پہلے فولاد پر کھودا اور اُس کے بعد اس کو تانبے پر زور سے ٹھونکا اور جب حروف کے نقش تانبے پر ظاہر ہوجاتے ھیں بعد اس کے اُن حروفوں کو جو تانبے پر ظاہر ہوتے ھیں شیشہ گلا کے ڈھالتے ھیں اس طور سے حروف بہت ہی خوب ظاہر ہوتے ھیں جتنے حروف چاہیں اس طرح تیار کرسکتے ھیں پس یہ تین طریقے ھیں چونکہ سیسہ بہت نرم ھے اس لئے اس میں سونا ملاتے ھیں تب وہ سخت اور مضبوط ہوجاتا ھے - بتیس برس گذرنے کے بعد یعنی ایک ہزار چارسو باسٹھ سنہ ۱۴۶۲ ء میں جس وقت جرمن ملک کے بادشاہ نے شہر منش پر چڑھائی کی اور اس کے سب ملکوں پر فتح مند ہوا چھاپے والے بھاگے اور چاروں طرف چھپ گئے اور چھاپے کا اسباب بھی ہر ایک ملک میں پہنچا - تب ہر ایک ملک کے لوگ اس صنعت سے واقف ہوگئے اور کئی برس بعد فرنگستان کے ملکوں میں یہ صنعت پھیل گئی پس معلوم ہوا کے اس صنعت کے ایجاد کرنے والے فقط ملک ہولینڈ کے لوگ ھیں تو بے شک وے مدح کے مستحق ھیں اور تعریف کے لایق ھیں - لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ھے کہ ملک انگلستان میں کس برس سے چھاپا شروع ہوا ھے بہت دن تلک لوگوں کا گمان یہ تھا کہ ایک ہزار چار سو ستر سنہ ۱۴۷۰ ء میں پہلے کاسٹن صاحب نے اس ملک میں ایک کتاب چھاپی اور لوگ اُسے اس صنعت کا بانی جانتے ھیں - مقام آکسفورڈ میں اس صنعت کے پہنچنے کا عجیب ایک قصہ ھے کیونکہ جس وقت ہالینڈ ملک میں یہ صنعت اجراء پائی شاہ انگلستان کے بڑے وزیر نے

بادشاہ کے حضور میں عرض کی کہ اگر یہ صنعت ملک ہالینڈ سے انگلستان ملک میں لائی جائے تو بے شک یہاں کے لوگ اُس سے فایدہ مند ہونگے۔ عرضی اس کی مقبول ہوئی لیکن بادشاہ نے اپنے دل میں سوچا کہ اس صنعت کو چھپا کے لایا چاہئے ورنہ ظاہر کر کے لانا ممکن نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے نوکروں میں سے ایک معتبر شخص کے ساتھ جس کا نام کرسلس تھا کاسٹن صاحب کو ملک ہالینڈ روانہ کیا وہ شخص بھیس بدل کے بہت سے روپئے لے کے اس ملک میں چلا وہاں پہ پہنچ کے کتنے دن تلک دو تین جگہ مقام کر کے رہا۔ بھیس بدلنے کا سبب یہ ہے کہ اُس چھاپہ خانہ کے لوگ اس صنعت کے سکھانے میں بخیلی کرتے تھے اور بیگانے کی نظر سے چھپاتے تھے اور جو کوئی کسی اطراف سے اور دور دراز ملک سے ہالینڈ ملک میں چھاپا سیکھنے آتا تھا وہ اسے قید کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص نے اچھی تدبیریں کر کے چھاپہ خانہ کے ایک آدمی سے بڑی دوستی پیدا کرلی اور اُس آدمی کو بہت روپے دیئے۔ تب وہ شخص روپے کی لالچ سے انگلینڈ میں آنے کو راضی ہوا اور رات کو بھاگنے سمندر کے کنارے آیا اور جو جہاز شاہ انگلستان کی طرف سے وہاں تھا اس پر سوار ہوکے انگلستان میں آیا لیکن بادشاہ نے لندن میں چھاپہ خانہ کی بناء کو اُس وقت مناسب نہ جانا بلکہ اس سے بہت ڈرا۔ لاچار کرسٹن مذکور کو فوج کے ساتھ مقام آکسفورڈ میں بھیجا اُس نے وہاں اس کام کی بنا ڈالی۔ جب ملک انگلستان کے دو تین آدمیوں نے اس کام کو اچھی طرح سے نہیں سیکھا اور اس کی حقیقت سے خوب واقف نہیں ہوئے تب بادشاہ نے دو تین پیادوں کو اسکی نگہبانی کے لئے مقرر کیا بعد اس کے روز بروز یہ صعنت بڑھنے لگی اور تمام جگہوں میں جاری ہوئی اور پچاس برس کے بیچ میں کوئی جگہ اس کام

سے خالی نہ رہی - غرض اس صنعت کی تعریف بے حد و حساب ہے
کیونکہ جس چیز کے وسیلے سے - علم جو بے بہا چیز ہے اور اُس سے
بڑھ کے کوئی نعمت نہیں ہے ہمیشہ جاری رہے ، تو البتہ وہ بے حد تعریف
کے لایق ہے - قطع نظر اس سے خود چھاپا بذاتہ ایسی چیز ہے جس کی
قیمت نہیں اور آگے جن علوم کو ہزار برس میں سیکھتے تھے اب چھاپے
کے سبب سے سو برس میں سیکھتے ہیں - جاننا چاہئے کہ فرنگستان کے
لوگ ہند کے لوگوں کو عقل اور دانائی سکھانے والے ہیں اور بے شبہ
انہیں لوگوں کے سبب سے اس ملک میں علم و فضل آیا اور جتنے علوم
اس صنعت کے وسیلے سے اس ملک میں پھیلے ہیں کبھی معدوم نہیں ہونگے
بلکہ علم کا بازار ہمیشہ گرم رہے گا اور عالموں کی مجلس ہمیشہ روشن
رہے گی اور فضل و کمال اور ہر طرح کا علم جو ملک فرنگستان میں ہے
اگر ہند کے لوگ ان کو اپنی زبان میں سیکھیں گے تو بے شک روشنی
بڑھے گی -

دلچسپ بیان نمک کا

یہ شئے ضروری کئی طرح سے پیدا ہوتی ہے اول تو یہ کانوں میں پائی
جاتی ہے - بعض ایسی کانیں ہیں کہ ان کا حال نہایت دلچسپ اور عجیب
ہے اور اکثر کانیں بہت نیچے زمین میں ہوتی ہیں اور لوگ نمک کی کانوں
میں گھر اور مکان بنا لیتے ہیں اور چھت اور فرش اور ستون اور طاق اور
دالان سب نمک کے تراش لیتے ہیں - اکثر جو شخص کانوں کو دیکھنے
جاتے ہیں تو وہ اول ایک کوئیں میں اُترتے ہیں اور بعد اس کے کسی پہلو
میں ایک دروازے میں داخل ہوتے ہیں وہاں مکانات وغیرہ دکھائی دیتے
ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا نئی دنیا میں آگئے ہیں - بہ سبب اسکے

کہ وہاں کرنیں آفتاب کی نہیں پہنچتی ہیں تو وہاں تاریکی کامل ہوتی
ہے اور اسواسطے وہاں لوگ مشعلیں اور چراغ روشن رکھتے ہیں اور بہ
سبب اس روشنی کے نمک کے بنے ہوئے ستون اور چھت وغیرہ نہایت
چمکتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے امیر کا مکان ہے کہ
وہاں ہزار ہا جھاڑ اور قندیل روشن ہیں۔ وہاں دیکھا جاتا ہے کہ مزدور
بڑے بڑے پھاوڑوں سے سے نمک کو کاٹ رہے ہیں اور بعض اُن میں سے
نمک کے بڑے بڑے پہاڑوں میں سوراخ کرر ہے ہیں تا کہ اُن میں بارود
رکھ کے اُنہیں اڑادیں۔ نمک کے تکڑے کر کے اور ٹوکروں میں بھر کے
اوپر کھینچ لیتے ہیں اور پھر تجارت ہوتی ہے۔ نمک کی کان میں اکثر
کئی طبق اندر زمین کے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ انگلستان
میں ایک نمک کی کان تمام ہوگئی تھی یعنی نمک اس میں کا سب خالی
ہوگیا تھا اور آدمی بیچ تلاش کوئلون کے اُس کان مذکو میں سے مٹی کو
کھود رہے تھے دیکھتے کیا ہیں کہ چند گز نیچے ایک اور طبق نمک کا
نکلا کہ اُس کا طول قریب دو میل کے تھا اور اسی قدر عرض اور
عمق قریب تیس گز کے۔ اس نئی کان کے ظاہر ہونے سے مالکوں اس کے کو
کڑوڑ ہا روپیہ کا فائدہ ہوا۔ بعض اوقات نمک پانی میں گھلا ہوا پایا جاتا
ہے یہ اس طور سے واقع ہوتا ہے کہ نمک کی کان میں کوئی چشمہ پانی کا
دخل پاجاتا ہے اور نمک اس میں گھل جاتا ہے۔ اس نمکین پانی میں
سے نمک نکالنے کی یہ ترکیب ہے کہ اُس پانی کو اگ پر چڑھا کے جوش
کرتے ہیں اور پانی کو اڑاتے ہیں اور نمک باقی رہ جاتا ہے۔ کان
کا نمک جو بشکل پتھر کے نکلتا ہے لایق کھانے کے نہیں ہوتا ہے۔
اُسے بھی صاف کیا کرتے ہیں اسے پانی میں گھلا کے آگ پر جوش کرتے
ہیں اور جو میل اوپر کو آجاتا ہے اُسے دور کرتے ہیں اور بعد اس کے

پانی کو بھی جوش کرتے ھیں اور اڑا دیتے ھیں اور اس ترکیب سے نمک خالص رہ جاتا ھے۔ خلاصہ مطلب یہ ھے کہ نمک کان کو اُسی طرح سے خالص کرتے ھیں جس طرح کہ شکر کو صاف کیا کرتے ھیں۔ واضح ہو کہ نمک سمندر کے پانی سے بھی نکلتا ھے اور اس کی ترکیب نکالنے کی یہ ھے۔ سمندر کے کنارے پر تین چوبچے بناتے ھیں۔ ایک سب سے اونچی طرف بناتے ھیں اور دوسرا اس سے نیچے اور تیسرا سب سے نیچے اور ان چوبچوں میں دروازے بناتے ھیں اس طرح سے کہ ایک چوبچے کے دروازے میں سے دوسرے میں پانی جاسکے اور دروازوں میں ڈاٹیں ہوتی ھیں جس وقت لہر سمندر کی آتی ھے اُس وقت سب سے اونچے چوبچے کی ڈاٹ کھول دیتے ھیں اور اس ترکیب سے اول چوبچے میں پانی آجاتا ھے اور چند روز تک اس میں پانی کو پڑا رہنے دیتے ھیں۔ جب بہت سا پانی سوکھ جانے بعد اس کے گاڑھے پانی کو دوسرے چوبچے میں داخل کرتے ھیں اور اس میں بھی تھوڑے دن رکھتے ھیں۔ اس میں پانی اور بھی سوکھتا ھے اور تیسرے چوبچے میں پانی بالکل سوکھ جاتا ھے اور نمک رہ جاتا ھے اور اُس نمک کو چوبچے میں سے نکالتے ھیں اور کام میں لاتے ھیں۔ لاکھوں من نمک اس ترکیب سے بنتا ھے۔ یہاں تک کہ ملک فرانس میں اسی قسم کا نمک کھاتے ھیں اور تب بھی وہ تمام خرچ نہیں ہوتا ھے اور وہ اور ملکوں میں جاتا ھے اور لاکھوں روپیہ کا فائدہ سوداگروں کو ہوتا ھے۔ نقشہ کان نمک کا جو ضلع وزچ انگلستان میں واقع ھے اس جائے ہم دیتے ھیں یہ صورت کان کے اندرون کی ھے اور وہاں چند آدمیوں کی تصویر ھے اُن کے ملاحظہ کرنے سے بلندی اور وسعت کان کی ناظرین پر روشن ہوجائے گی۔

اشاریہ

ب

ڈ

ذ

ر

ز

س

ش

ق

ک

گ

ل

م

ن

و

ھ

ی

MASTER RAMCHANDER

and his

Contribution to Urdu Prose

BY
Dr. SAYEDA JAFFER